جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

ماهنامه

انوار مدینہ

جلد : ۳ | جمادی الثانی ۱۴۱۴ھ - دسمبر ۱۹۹۳ء | شمارہ : ۳

مدیر

سید محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سالانہ ۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ۔ ۔ ۔ ″ ۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ″ ۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ″ ۱۶ ڈالر
برطانیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ″ ۱۴ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ۔ ۔ ۔ ۔ سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۵۳۸۸

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ——— ۳

درسِ قرآن ——— حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ ——— ۷

درسِ حدیث ——— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ——— ۱۳

سیرۃِ مبارکہ حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمد میاںؒ ۱۶

نظم ——— حضرتِ سیّد انور حسین نفیس شاہ صاحب ۲۲

شادی اور موت ——— حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ ——— ۲۳

پاکستان میں قیامِ امن کا مسئلہ ——— ڈاکٹر محمود الحسن عارف ——— ۳۰

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ——— مولانا محمد عرفان صاحب ——— ۳۶

حضرت مولانا محمد ابراہیمؒ صاحب ——— محمد کفیل خان ——— ۴۳

مسئلہ ایصالِ ثواب ——— حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی ——— ۵۰

دارالافتاء ——— حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد ——— ۵۵

حاصلِ مطالعہ ——— مولانا نعیم الدّین صاحب ——— ۵۸

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد، ۱۹۸۹ء سے جاری کشمیر کی تحریک آزادی میں کچھ عرصہ سے کافی شدّت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ نتیجتاً بھارتی فوج کی جانب سے مزاحمت بھی شدید ہوگئی ہے بھارتیوں کی جانب سے درگاہ "حضرت بُل" کا محاصرہ اس کی ایک کڑی ہے، تحریک کیا رُخ اختیار کرتی ہے اور علاقہ پر اس کے کیا اثرات مرتّب ہوسکتے ہیں اس کے بارے میں اچھی توقعات تو وابستہ کی جاسکتیں ہیں مگر حتمی طور پر ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کسی بھی مثبت اور حتمی نتیجہ کے لیے پاکستان کے اندر ایسے خود دار حکمران کی ضرورت ہے جو ایسا مثبت اور جُرأت سے بھرپور موقف اختیار کرے کہ جس میں بھارتی دباؤ کے مقابلہ کے ساتھ ساتھ تھرڈ آپشن کے حوالہ سے امریکی چال بازوں کی اُنگلیوں پر ناچنے سے انکار کی جسارت بھی ہو، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ سابقہ اور موجودہ حکومتوں میں سے کوئی بھی اپنے اندر یہ ہمّت و طاقت نہیں رکھتا کہ امریکہ بہادر کے اشارۂ ابرو کو نظر انداز کرسکے۔ روزنامہ نوائے وقت کے مؤرخہ ۱۷ نومبر ۱۹۹۳ء کے شمارہ کا اداریہ ہماری نظر سے گزرا جس میں موجودہ صورت حال پر بہت مناسب انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے چند اہم خدشات کی نشاندہی کی گئی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بعینہٖ نظر قارئین کردیا جائے۔

"گلف نیوز میں شائع شدہ ایک اخباری تجزیے کے مطابق امریکہ کشمیر کو اپنی طفیلی مملکت بنانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے اور اُس کے تحت بھارتی مقبوضہ کشمیر، آزاد کشمیر، گلگت و بلتستان اور اقصائے چین کے علاقوں پر مشتمل پُورے کشمیر کو ایک آزاد ریاست کی شکل دینا چاہتا ہے۔ امریکی نائب وزیرِ خارجہ رابن رافیل کے حالیہ بیانات اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں جن میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے تیسرے آپشن کا ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ امریکہ نے نئے سرے سے کشمیر کو متنازعہ علاقہ کہنا شروع کر دیا ہے جس پر بھارت نے سخت احتجاج کیا ہے اور اس کے جواب میں امریکہ نے بھارت پر واضح کیا ہے کہ متنازعہ علاقے سے اس کی مراد کشمیر کے ان تمام حصّوں سے ہے جو ۱۹۴۷ء میں ریاست جموں و کشمیر میں شامل تھے۔ ایک اعلیٰ اہلکار جان میلوٹ نے اپنے بیان میں گلگت، بلتستان اور ہنزہ کے پاکستان میں انضمام کو بھی چیلنج کیا تھا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ بھارت تو امریکی بیانات پر تشویش کا اظہار کر رہا ہے لیکن پاکستان کی طرف سے مکمّل خاموشی ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ نگران وزیرِ اعظم معین قریشی بھی مسئلہ کشمیر کے تیسرے آپشن کا ذکر کر چکے ہیں، اس سے قبل میاں نواز شریف نے بھی وزارتِ عظمیٰ کے دَور میں کم از کم دو مرتبہ تیسرے آپشن کا ذکر کیا تھا اور مجاہدِ اوّل سردار عبدالقیوم خان وزیرِ اعظم آزاد کشمیر بھی اپنے بیانات میں اس آپشن پر غور کرنے میں ہرج نہیں سمجھتے تاہم پاکستانی اور آزاد کشمیر کے حکومتی زعما رائے عامہ کے دباؤ کے تحت اپنے بیانات واپس لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن کسی کو ابھی تک یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ ببانگِ دہل تیسرے آپشن کو مسترد کرنے کا اعلان کرے حقیقت یہ ہے کہ کشمیر مذہبی، ثقافتی، تاریخی اور جغرافیائی طور پر پاکستان کا حصّہ ہے اور تقسیمِ ہند اور آزادی کے ایجنڈے کے مطابق کشمیر کو ملحقہ مسلم اکثریتی علاقہ ہونے کی حیثیّت سے پاکستان کا ہی حصّہ بننا چاہیے۔ تاہم بھارت نے جب بزورِ طاقت کشمیر کے ایک حصّے پر قبضہ جما لیا اور اس پر پاکستان اور بھارت کے درمیان ۱۹۴۸ء میں جنگ کی نوبت آئی تو خود بھارت نے ہی جنگ بندی کی اپیل لے کر اقوامِ متّحدہ سے رجوع کیا تھا جس پر عالمی ادارے نے ایک قرارداد کے ذریعہ فیصلہ دیا کہ جموں اور کشمیر میں استصواب منعقد کرایا جائے تاکہ ریاستی باشندوں کو یہ فیصلہ کرنے کا موقع مل سکے کہ وہ پاکستان اور بھارت میں سے کس کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں۔

اس قرارداد میں کشمیری عوام کو خود مختاری کا لامحدود حق نہیں دیا گیا، کیونکہ یہ عملاً ممکن نہیں اور برّصغیر کی تقسیم کے ایجنڈے میں بھی اس کا ذکر نہیں، بھارت نے ان قراردادوں کو قبول کیا، لیکن وقت گزرنے پر بھارت نے مزید افواج کشمیر میں داخل کر دیں اور آج پانچ لاکھ سے زائد بھارتی فوج کشمیر میں ظلم و ستم ڈھا رہی ہے اور بھارتی حکومت کشمیر کو اٹوٹ انگ قرار دے رہی ہے۔ بھارت اقوامِ متّحدہ کی قراردادوں سے منحرف ہو گیا ہے اور عالمی برادری بھی اس عرصے میں بھارت کو ان قراردادوں پر عمل کرنے کے لیے دباؤ ڈالنے میں سنجیدہ نہیں ہے۔ اَب تو امریکہ نے کھُلم کھلا کشمیر کے تمام حصّوں

پر مشتمل ایک آزاد ریاست کی تشکیل کی باتیں شروع کر دی ہیں۔ امریکہ کا اصل منصوبہ یہ ہے کہ وہ چین کے ارد گرد ایک ایسے اڈّے کی تلاش میں ہے جہاں بیٹھ کر وہ اس کے خلاف سازشیں کر سکے شرقِ اوسط میں اسرائیل کے ذریعے امریکہ نے اپنے عزائم کو پروان چڑھایا تھا اور "آزاد و خود مختار کشمیر" کی صورت میں امریکہ کو برِّصغیر میں ایک اور اسرائیل کھڑا کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ امریکی منصوبہ ایک تو تقسیمِ ہند کے طے شدہ فارمولے کی نفی ہے، دوسرے اقصائے چین اور گلگت و بلتستان اور ہنزہ کے علاقوں کو "عظیم تر" کشمیر میں شامل کرنے سے پاکستان کو اپنے مخلص اور دوست ہمسایہ چین کے ساتھ زمینی رابطے سے محروم کرنا بھی مقصود ہے۔ امریکہ اس وقت دُنیا کی واحد سُپر طاقت کے طور پر ابھرا ہوا ہے اور اس کا نیو ورلڈ آرڈر پوری دنیا کو محکوم بنانے کا منصوبہ ہے۔ بہرحال پاکستان کو امریکی عزائم سے چوکنّا رہنے کی ضرورت ہے۔ آزاد خود مختار کشمیر نہ صرف امریکی طفیلی ریاست اور امریکی سی آئی اے کی سازشوں کا اڈّہ ثابت ہوگا، بلکہ اس سے برِّصغیر میں اکھاڑ پچھاڑ کا نیا عمل شروع ہو سکتا ہے۔ پاکستان پہلے ہی دو لخت ہو چکا ہے اور اب مزید تقسیم کا متحمل نہیں ہو سکتا ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان اس منصوبے کی بھرپور مخالفت کرے اور اسلامی بلاک اور آزاد ممالک کو بھی اپنے حق و انصاف پر مبنی موقف کا حامی بنا کر استصواب کے ذریعے مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کرنے پر زور دے۔ امریکہ بہادر کو بھی سوچنا چاہیے کہ اکیسویں صدی کی ترقی یافتہ، روشن خیال دُنیا میں وہ استعماری اور استبدادی طاقت بننے کا خیال ذہن سے نکال دے

مسئلہ کشمیر کا برطانوی حل؟

برطانیہ کے وزیرِ خارجہ ڈگلس ہرڈ نے برطانوی نشریاتی ادارے سے باتیں کرتے ہوئے تجویز پیش کی ہے کہ مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے پاکستان اور بھارت کو تین اقدامات کرنے چاہییں۔ اوّل یہ کہ پاک بھارت مذاکرات کا آغاز ہو دوسرے بھارتی حکومت اور کشمیر کی نمائندہ قیادت کے مابین بات چیت اور تیسرے کشمیر سے بیرونی مداخلت کا خاتمہ، کشمیر کا مسئلہ برطانیہ کا پیدا کردہ ہے۔ جس نے تقسیم برِّصغیر پر منصفانہ عملدرآمد کے بجائے اپنے آخری وائسرائے اور ریڈ کلف ایوارڈ کے ذریعے دھاندلی سے پاکستان کو ان علاقوں سے محروم کر دیا جن پر اس کا حق بنتا تھا، پھر کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضے کے بارے میں مجرمانہ خاموشی اختیار کر کے کشمیری عوام کے مصائب میں اضافہ کیا اور دولتِ مشترکہ کے رکن ممالک کے مابین اس متنازعہ مسئلہ کو حل کرانے کی کبھی سنجیدہ کوشش نہیں کی اب جبکہ کشمیری عوام نے اپنی قربانیوں سے نئی تاریخ لکھی ہے اور بھارت کا ناطقہ بند کر دیا ہے تو امریکہ کی طرح برطانیہ کو بھی یہ خیال آیا ہے کہ یہ مسئلہ حل ہونا چاہیے، مگر وہ جو حل پیش کر رہے ہیں اُس کا مطلب یہ ہے کہ رہی سہی اُمید بھی ختم کر دی جائے

اگر پاکستان اس مسئلہ سے لاتعلق ہو جائے اور بیرونی مداخلت کے نام پر کشمیری عوام کی جدّوجہد بھی بند کرا دی جائے تو پھر کون سی طاقت بھارت کو کشمیری عوام سے بات چیت اور پاکستان سے مذاکرات

پر مجبور کر سکے گی، یہ تو بھارت کا قبضہ مستحکم کرنے اور کشمیری عوام کو ہمیشہ کیلئے خاموش کرا دینے کے مترادف ہے اس لیے پاکستان اور جموں و کشمیر کو ایسے لاینحل حل سے معاف رکھا جائے۔ اگر برطانیہ عظمیٰ واقعی مسئلہ کشمیر کا حل چاہتا ہے تو اسے کئی تجاویز پیش کرنے کے بجائے عالمی ادارے کی قراردادوں پر عمل درآمد پر زور دینا چاہیے اور یہ تو برطانیہ کی قیادت کو معلوم ہی ہے کہ بھارت ہی عمل درآمد سے گریز کر رہا ہے اور یوں خطے میں کشیدگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔" (بشکریہ نوائے وقت)

زیرِ نظر مضمون کی افادیت کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے، انشاء اللہ ہم آئندہ شمارہ میں ماہ اکتوبر کے نوائے وقت ہی میں شائع ہونے والے ایک کالم کو قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے جو "آپریشن جبرالٹر" کے عنوان سے چھاپا گیا ہے۔

شاید اس کے ذریعے سوئی ہوئی فکروں کو کچھ بیداری نصیب ہو۔

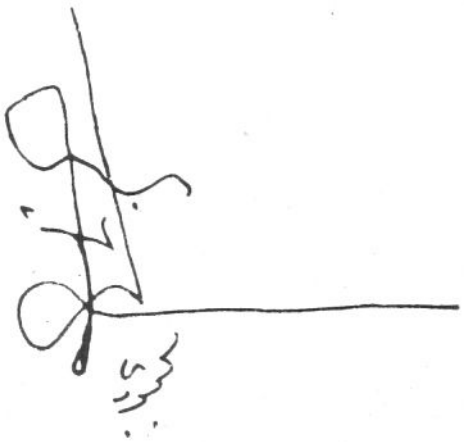

(قسط: ۸)

درسِ قرآنِ حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے سنہ ھ میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک عشاء کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ۲۹ کی تفسیر بیان فرمائی، آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دیوبند جانا ہوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے، لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہما اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچا دیں۔ اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اُسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔

انسان چاند پر جا سکتا ہے

آج اگر کوئی چاند پر پہنچنا چاہے تو وہ پہنچ سکتا ہے شریعت کے اُصول سے کوئی بعید بات نہیں ہے۔ اِس لیے کہ یہ نظامِ کواکب ستاروں کا نظام سب آسمانوں سے نیچے نیچے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صریح روایت موجود ہے اس میں کہ یہ تمام ستارے یہ آسمان کے نیچے لٹکے ہُوئے ہیں اور ان میں زنجیریں پڑی ہُوئی ہیں سونے اور چاندی کی اور ملائکہ کے ہاتھ میں ہیں جو تھامے ہُوئے ہیں انہیں۔ قیامت کے دن جب آسمان ٹوٹیں گے اور ملائکہ علیہم السّلام کو بھی وفات دے دی جائے گی، زنجیریں چھوٹ جائیں گی۔ وہ سارے ستارے ٹکڑے ہو کر نیچے آ پڑیں گے۔ قیامت قائم ہو جائے گی۔

ستارے اپنی کشش سے قائم نہیں بلکہ انہیں ملائکہ نے تھام رکھا ہے

آج کی دُنیا میں کہا جاتا ہے کہ ستارے باہمی کشش سے قائم ہیں۔ ایک دوسرے ستارے کو کھینچ رہا ہے اس لیے وہ مُعَلَّق ہیں تو اُنھوں نے اسے کشش سے تعبیر کر دیا، شریعت نے اس کشش کی حقیقت بتلادی کہ وہ ملائکہ ہیں، جنھوں نے اپنی طاقت سے تھام رکھا ہے ستاروں کو، تو ہمیں کشش سے انکار کی بھی ضرورت نہیں ہے، لیکن وہ پھر حسیّات پر پہنچے، کشش ہوتی ہے حسّی چیزوں میں۔ شریعت اس کا انکار کیے بغیر اس کی حقیقت بتلاتی ہے کہ اس پُر کشش کو تھام رکھا ہے فی الحقیقت ملائکہ علیہم السّلام نے اُن کی معنوی قوت نے ستاروں کو لٹکا دیا تو یہ سارا نظامِ کواکب آسمانوں سے نیچے نیچے ہے۔ آسمان اس سے بالاتر ہے تو سات آسمان تعمیر کیے گئے، گویا سات شہر پناہیں بنائی گئیں۔ اس لیے کہ جب بڑی حکومت ہوتی ہے تو چھوٹا موٹا قلعہ کام نہیں دیتا۔ جب تک کہ ساتھ ساتھ شہر پناہیں نہ ہوں۔ تو سات شہر پناہ کا ایک دارالسلطنت بنایا گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ آخری حصّہ میں تختِ شاہی رکھا جاتا ہے تو ساتوں آسمانوں کے اُوپر جاکر عرشِ عظیم قائم کیا گیا۔

ساتوں آسمانوں کے اُوپر بطور حفاظتی خندق کے ایک عظیم الشّان سمندر ہے

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بڑے بڑے قلعے جب تعمیر ہوتے ہیں تو دُشمنوں سے حفاظت کے لیے اُن کے اِرد گرد خندقیں کھودی جاتی ہیں۔ پانی بھرا جاتا ہے اُن میں کہ اگر کوئی قریب بھی پہنچے تو دیوار تک نہ پہنچ سکے قلعے کی۔ سب سے زیادہ گہری خندق ڈالتے ہیں اور اس میں بہت گہرا پانی ہوتا ہے۔ اَب اس میں کوئی کشتیاں بنائے۔ اتنے بنائے گا قلعے والے اس کا استیصال بھی کر دیں گے اُوپر سے گولیاں برسا کر، تو دُشمنوں سے حفاظت کے لیے اوّل تو سات قلعے بنائے گئے اور پھر اس کے باہر جاکر ایک بڑی خندق بنائی ہیں جس میں پانی بھرتے ہیں تو پانی کے اُوپر نرم مخلوق ہے۔ اس پر چلنا آسان نہیں ہے۔ اس واسطے پانی پر آکر دُشمن رُک جاتا ہے۔ تو حق تعالیٰ شانہٗ نے سات آسمان بنائے گویا سات قلعے تعمیر کیے اور اُس کے بعد ایک عظیم الشّان سمندر بنایا۔ اس سمندر کی بڑائی حدیث میں آتی ہے کہ "آسمانوں اور زمینوں کے برابر ایک ایک موج ہے اس دریا کی" اس سے اُوپر عرشِ عظیم قائم کیا

توساتویں قلعے ہیں اس کے بعد خندق بنائی گئی، اور وہ خندق بھی جیسا قلعہ ہے ویسی خندق جیسا بادشاہ ہے ویسا ہی اس کے لیے سامان تو وہ خندق ایسی ہے ایک عظیم سمندر ہے اور اس سمندر کی ایک ایک موج آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے۔

عرشِ الٰہی سمندر کے اُوپر ہے

اس کے اُوپر عرشِ عظیم قائم کیا گیا تو گویا دارالسلطنت قائم کرنے میں پہلے قلعے بناتے ہیں۔ قلعے کے بعد خندق بناتے ہیں اور ساتویں قلعے میں پھر تختِ شاہی رکھا جاتا ہے جو علامت ہوتی ہے بادشاہ کی۔ اسی تخت سے احکام جاری ہوتے ہیں، تو وہ تختِ شاہی ہے عرشِ عظیم، ساتویں آسمان کے اُوپر سمندر ہے۔ ان پر عرشِ عظیم قائم کیا گیا ہے، تو عرش کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے یہ سات آسمان قبّوں کی طرح ہیں۔ ایک دوسرے کے اوپر اور عرش نے سب کو گھیر رکھا ہے۔ سارے آسمان، ساری زمینیں، سارے سیّارات اس عرش کے نیچے ہیں تو ترتیب مُعَیَّن ہوگئی کہ نیچے زمین، اُوپر آسمان، اُوپر سمندر، اس سے اُوپر پھر عرشِ عظیم ہے، تو ایک شاہی قلعہ بنا اور تختِ شاہی رکھا گیا۔

اللہ کے مہمانوں کے لیے جو گیسٹ ہاؤس ہے اس کا نام جنّت ہے

تو یہ بھی قاعدہ ہے کہ بہرحال حکومت کے مہمان بھی آتے ہیں تو اُن کے لیے ایک گیسٹ ہاؤس بنایا جاتا ہے۔ ایک بہت بڑا مہمان خانہ، اتنا بڑا کہ جو سارے مہمانوں کے لیے مناسب ہو۔ اس لیے کہ بادشاہ کے پاس چھوٹے موٹے قسم کے لوگ تو پہنچتے نہیں۔ وہاں والیانِ ملک اور بڑے بڑے نوّاب راجہ ہی پہنچ سکتے ہیں کہ جو بادشاہ کے مہمان ہوتے ہیں۔ تو اُن کے مناسب حال ضرورت تھی کہ گیسٹ ہاؤس بنے، سرکاری مہمان خانہ بنے تو وہ سرکاری مہمان خانہ اسی کا نام ہے جنّت۔ یہ جنّت جو ہے یہ عرشِ عظیم کے نیچے ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سات آسمان ہیں۔ ساتویں آسمان سے جنتوں کا علاقہ شروع ہوتا ہے، اس لیے کہ صحیح مُسلم میں حدیث ہے کہ جبرئیل علیہ السّلام کا مقام ہے سدرۃ المنتہٰی اور یہ ساتویں آسمان پر ہے اور قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس سے جنّت الماویٰ شروع ہوتی ہے، تو حدیث اور آیت کے ملانے سے نتیجہ یہ نکل آیا کہ ساتویں آسمان سے جنتوں کا علاقہ ہے۔

کُل جنتیں سو ہیں

اور جنتیں ہیں سو ایک دوسرے کے اُوپر اور ایک ایک جنّت آسمانوں اور زمینوں سے زیادہ بڑی ہے تو اندازہ کیجیے کہ سو جنتیں ہیں اور ہر جنّت آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے تو لاکھوں آسمانوں کے برابر ایک جنت ہی ہوگی یہ ہے سرکاری مہمان خانہ کہ جس میں سرکاری مہمان رکھے جائیں گے۔

سرکاری مہمان سرکاری مہمان خانہ میں کب پہنچیں گے

اور سرکاری مہمان کب پہنچیں گے؟ جب آسمان بیچ سے نکال دیے جائیں جب ہی تو پہنچیں گے، اس لیے کہ اصل مہمان ملائکہ تو ہیں نہیں۔ یہ تو خدّام ہیں جو کام کر رہے ہیں، مہمان تو وہ ہیں جو اللہ کے بتلائے ہوئے طریق پر اور راستے پر چل کر اس تک پہنچیں۔ وہ راستہ شریعت ہے۔ اس پر چلنے والے انسان ہیں، تو حقیقت میں سرکاری مہمان یہ انسان ہوں گے کہ جو ٹھیک اس راستہ پر پہنچ کر جو جنّت کو جا رہا ہے وہاں پہنچ جائیں، تو حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد جتنے اہلِ جنّت ہیں وہ جنّت میں بطورِ مہمان کے داخل کیے جائیں گے اور خُوب مہمانی ہوگی اُن کی

اہلِ جنّت کی تین دن خاص مہمانی ہوگی

کہ اُن کے لیے زمین روٹی اور مچھلی کے جگر کا سالن بنایا جائے گا۔ اور تین دن کی مہمانی اس انداز سے ہوگی کہ اُن کو روٹی تو دی جائے گی اس زمین کی یعنی یہ پُوری زمین اس کی ایک روٹی بنا دی جائے گی اور زمین جس پر قائم ہے وہ ایک عظیم الشّان مچھلی ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے اس کے جگر کے کباب ہوں گے تو زمین کی روٹی اور مچھلی کے کباب اور وہ بھی اس کے جگر کے کہ سب سے زیادہ لذیذ گوشت ہوتا ہے، وہ دی جائے گی غذا۔

زمین کی روٹی کیسے بنائی جائے گی؟

آپ سوال کریں گے کہ یہ زمین تو مٹی کی ہے اور اس کی روٹی تو بڑی چڑچڑی ہوگی تو کھائی کس طرح سے جائے گی؟ اللہ میاں کے یہاں مہمانی ہو اور چڑچڑی روٹی ملے؟ میں عرض کرتا ہوں کہ آج جو آپ غذا کھا رہے ہیں وہ بھی تو زمین ہی کھا رہے ہیں اس لیے کہ زمین ہی میں سے تو نکلتے ہیں غلّہ بھی دانے بھی، چنے بھی، گیہوں بھی، پھل پھول فروٹ سب زمین سے نکلتے ہیں تو یہ زمین کے ٹکڑے ہیں جو آپ کھاتے ہیں

لیکن اللہ نے کچھ ایسی مشینیں لگا رکھی ہیں قدرتی کہ اُن کے ذریعے چڑ چڑا مادہ صاف کر کے خالص مزے کی چیز بنادی جاتی ہے۔ سیب کھانے میں کبھی چڑ چڑاپن محسوس نہیں ہوتا۔ انگور کھانے میں کبھی چڑ چڑا پن نہیں، حالانکہ ہے یہ وہ ہی مٹی۔ اسی کا اللہ نے جوہر بنا کر چڑ چڑاپن نکال دیا باطنی مشینوں سے، اور صاف ستھرا مادہ خوشبودار رسیلا بنا کے آپ کو دیا، تو جب آج بھی آپ مٹی کھا رہے ہیں اور چڑ چڑا مادہ نہیں آتا تو کیا تعجّب ہے کہ حق تعالیٰ اس دن ساری زمین کا چڑ چڑا مادہ نکال کر اُس کا اصل جوہر بنادیں۔ اس لیے کہ سارے مزے اس زمین ہی میں تو چھپے ہُوئے ہیں۔ یہ سیب، انگور، انار، امرود جو ہے زمینی ہے، تو زمین ہی میں یہ سارے ذائقے چھپے ہُوئے ہیں۔ مشینوں کے ذریعے سے ان ذائقوں کو الگ الگ کر کے چڑ چڑا مادہ نکال دیتے ہیں تو سارے ذائقوں کا مجموعہ یہ زمین ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ اس دن اپنی قدرت کاملہ سے اس زمین کے سارے مزے ایک جگہ جمع کر کے چڑ چڑا مادہ الگ کر دیں اور ان سارے مزوں کی ایک روٹی بنادیں تو دُنیا کے جتنے پھل اور فروٹ ہیں سب کے ذائقے اس روٹی کے اندر ہوں گے۔ کوئی ذائقہ نہیں چھوٹا ہُوا ہوگا، سارے ذائقے آجائیں گے۔

دُنیا کی روٹی کیوں بنائی جائے گی؟

اور یہ اس لیے کریں گے کہ اوّل تو دُنیا میں ہر انسان نے دُنیا کا ہر پھل نہیں چکھا، ہر ملک کے الگ الگ پھل ہوتے ہیں، جو تُرکی میں ہے وہ ہندوستان میں نہیں، جو ہندوستان میں ہے وہ ایران میں نہیں، جو ایران میں ہے وہ افغانستان میں نہیں، تو لاکھوں کروڑوں انسان وہ ہیں جو اپنے اپنے خطے کے پھل تو کھائے ہُوئے ہیں، لیکن ساری زمین کے سارے ذائقوں سے واقف نہیں، ہوسکتا ہے کہ شکایت کرے بنی آدم کہ ہمیں آدھے تہائے پھل دیے، وہ اُنھیں دیے، وہ اُنہیں دیے، کچھ ہمیں دیے، ہم تو واقف نہیں زمین کے سارے ذائقوں سے۔ اس لیے سارے ذائقے جمع کر کے سارے بنی آدم کو جو روٹی ہے وہ کھلادیں گے تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

سالن مچھلی کا کیوں ہوگا؟

اور سالن بنائیں گے مچھلی کے جگر سے۔ اس لیے کہ غذائیں دو ہی ہیں دُنیا میں یا برّی یا بحری، تو بحری غذاؤں میں سے سب سے اعلیٰ ترین غذا مچھلی اور برّی غذاؤں میں سب سے اعلیٰ ترین غذا یہ فروٹ اور پھل اور دانے تو زمین

کا جوہر نکال کے تو سارے فروٹ اور دانے جمع کر دیے اُن کا مزہ ایک جگہ ہوگیا اور بحری چیزوں میں وہ مچھلی کہ ساری مچھلیوں کی ماں ہے وہ اور اس میں سے ساری مچھلیاں نکلی ہیں اور مچھلیوں کی اقسام ہیں۔ کسی مچھلی کا کچھ ذائقہ ہے، کسی کا کچھ ہے۔ اقسام ہیں۔ وہ ساری قسمیں جمع ہوجاتی ہیں اس مچھلی میں جا کے جس پر زمین قائم ہے، تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ دریائی غذاؤں کے جتنے ذائقے ہیں وہ بھی ایک جگہ جمع کر دیں گے اور بر اور خشکی کے جتنے ذائقے ہیں وہ بھی ایک جمع کر دیں گے۔ اس کی روٹی بنا دی اور اس کا سالن بنا دیں گے تو بحر و بر کی ساری غذائیں سارے بنی آدم نے چکھ لیں۔

اہلِ جنّت کی ابتداً روٹی سالن سے کیوں خاطر کی جائے گی؟

اور یہ کیوں چکھائیں گے؟ ابتدا ہی میں جنّت کی غذائیں کیوں نہ دے دیں؟ بتلانا یہ ہوگا ساری زمین کے ذائقے کھلا کر کہ بس یہ ہیں وہ ذائقے جن پہ تم رات دن لڑتے مرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ بس سب کچھ یہی ہے۔ اب یہ کھا کر اب ہمارے بنائے ہُوئے ذائقے کا مزہ چکھو، جو ہم نے تیّار کیے ہُوئے ہیں، جنّت میں مقیموں کے لیے تاکہ توازن اور تقابل کر سکو، اس واسطے کہ دُنیا میں اوّل تو سب نے سارے ذائقے نہیں چکھے اور جتنے چکھے تھے وہ موت کی تلخی نے سارے ذائقے بھلا دیے، کوئی چیز ذہن میں نہیں کہ کیا کھایا اور کیا نہیں کھایا۔ اس واسطے ان سارے ذائقوں کو عین جنّت میں کھلا کر تازہ کر دیں گے کہ بس یہ تھے وہ ذائقے جن پر آپ جی جی کر سر پھٹول کیے رہے، اور مارا مار کیے رہے۔

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است خم و خمخانہ با مہرو نشان است

الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علی خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمد وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اما بعد۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے نقل فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِہٖ وَمَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ جن لوگوں نے میرے ساتھ سب سے زیادہ حُسنِ سلوک کیا ہے اور اس کو ذکر فرمایا ہے احسان کے لفظ سے کہ میرے ساتھ زیادہ احسان کیا ہے، وہ احسان دونوں طرح کا، ساتھ دینے میں، اور مال خرچ کرنے میں۔ ان میں ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، اور ارشاد فرمایا کہ لَوْکُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا۔ اگر میں کسی کو ایسا (دوست) بناتا کہ اس کی محبّت دل کی گہرائیوں میں اُتری ہوئی ہو، تو میں ابو بکر کو خلیل بنا لیتا اور یہ کہتا کہ ابو بکر میرے خلیل ہیں۔ وَلٰکِنْ اُخُوَّۃَ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتَہٗ اسلام کا بھائی چارہ اور اسلام کی وجہ سے جو محبّت ہے وہ سب سے بڑی چیز ہو سکتی ہے، اس چیز کے بعد، پھر ارشاد فرمایا: لَا تُبْقِیَنَّ فِی الْمَسْجِدِ خَوْخَۃٌ اِلَّا خَوْخَۃَ اَبِیْ بَکْرٍ[1] مسجد میں سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں، سوائے حضرت ابو بکرؓ کی کھڑکی کے۔ تو ایسے تھا کہ مسجدِ نبوی کے اندر صحابہ کرام نے اپنے مکانوں کے دروازے کھول رکھے تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ دوسری طرف دروازے کھولیں، اِدھر کے جو دروازے ہیں بند کر

دیں، یعنی گھر کا دروازہ جو سڑک یا گلی کی طرف ہے وہ باقی رکھیں، مسجد میں جو دروازہ کسی کا کھلتا ہے وہ سب لوگ بند کرلیں، دروازے بند کرلیے لوگوں نے اور کھڑکیاں بنالیں، لیکن پھر ارشاد فرمایا یہ کہ جتنی کھڑکیاں ہیں وہ سب بند ہوجائیں، سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے کہ وہ کھلی رہے اور اسے کہتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے بعد قائم مقام ہوں گے اور خلیفہ ہوں گے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کوئی ارشاد ایسا نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی گھر میں رہتے تھے۔ اور دروازے میں جب داخل ہوتے تو پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان آتا تھا، پھر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات آتے تھے۔ اُن کا دروازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ہی دروازہ تھا، گھر داماد رکھ رکھا تھا، اُن کا اس میں کوئی ذکر نہیں آتا، کوئی بحث نہیں آتی۔ ارشاد فرمایا اپنی بیماری کے دوران اُدْعِیْ لِیْ اَبَا بَکْرٍ اَبَاکِ وَ اَخَاکِ، ابوبکر کو بلاؤ، والد کو اپنے اور بھائی کو بھی بلاؤ۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا حَتّٰی اَکْتُبَ کِتَابًا۔[1] تاکہ میں لکھ دوں۔ اور یہی واقعہ اور طرح بھی آتا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اس کے بعد تم بھٹکو گے نہیں تو میں لکھ دیتا ہوں تمہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہے، بُخار ہے اور کتاب اللہ ہمارے پاس موجود ہے، وہ کافی ہے، تو اتنی جلدی کی کیا بات ہے؟ اِسْتَفْهِمُوْهُ پوچھ لو، اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ کچھ نے کہا نہیں جو کچھ فرمایا وہ کرلو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ٹھہر جاؤ جلدی کاہے کی ہے؟ وہ آپس میں جو سوال جواب ہُوا تو اُس میں خود بخود ایک نزاعی جیسی شکل ہو جاتی ہے کھینچا تانی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس سے آپ لوگ ہٹ جائیں لَا یَنْبَغِیْ عِنْدَ نَبِیٍّ تَنَازُعٌ[2] نبی کے قریب بیٹھ کر ایسا جواب سوال آپس میں کرنا۔ یہ مناسب نہیں۔ یہ نہیں کرنا چاہیے۔ اُٹھ گئے لوگ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بہت عرصے بعد اپنے زمانے رویا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جمعرات کے دن کی بات ہے جس دن بیماری زیادہ ہی تھی، مگر آپ رُخصت ہُوئے ہیں پیر کے دن جاکر اور یہ واقعہ جمعرات کا ہے، وہ کہتے تھے، ایک دفعہ رونے لگے اور اتنے روئے کہ اُن کے آگے جو

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۵۵ [2] مشکوٰۃ ص ۵۴۸

پتھر تھے، کنکریاں تھیں، وہ تر ہوگئیں، اُس پر آنسو گرے، وہ کہتے تھے کہ وہ لکھ لیا جاتا تو بہت اچھا تھا۔ اور واقعی وہ لکھ لیا جاتا تو یہ شیعہ فرقہ تو پیدا ہی نہ ہوتا، تو لکھنا کیا چاہتے تھے، وہ اس حدیث شریف میں یہاں آرہا ہے۔

اُدْعِیْ لِیْ اَبَا بَکْرٍ اَبَاکِ وَاَخَاکِ بھائی کو بھی بُلالیں، حَتّٰی اَکْتُبَ کِتَابًا کہ میں لکھ دُوں، فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَیَقُوْلَ قَائِلٌ اَنَا وَلَا مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کوئی تمنّا کرنے والا تمنّا کرے کہ میں اس جگہ آجاؤں وَیَقُوْلَ قَائِلٌ اور کوئی کہنے والا کہے اَنَا وَلَا کہ مَیں ہوں اور دوسرا کوئی نہیں، یعنی مجھے ہونا چاہیے، بس میں آجاؤں اس جگہ، تھوڑی دیر بعد ارشاد فرمایا، اسی سے متصل وَیَأْبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَکْرٍ [1] اللہ تعالیٰ اور مومنین سوائے ابوبکر کے باقی کسی پر راضی خود بخود نہیں ہوں گے، یہ بھی ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اور پھر ہُوا بھی اسی طریقے پر ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہی شخصیت ایسی تھی کہ جس پر سب لوگ متفق ہوسکے تو صحابہ کرام میں اور پُوری اُمّت میں دیکھا جائے تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ اور اُنھوں نے ہر موقع پر کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ جہاں سب سے آگے نہ رہے ہوں خدمت میں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بالکل آخری وقت میں ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ حُسنِ سلوک جو کیا ہے میرے ساتھ، ساتھ دینے میں بھی، مال خرچ کرنے میں بھی، اُن میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر اُن کی جانشینی کے لیے اشارے جیسے ہوتے ہیں اُن اشارات میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ سب کی کھڑکیاں بھی بند کردی جائیں جو مسجد کی طرف کھُلتی ہیں، سوائے ابوبکر صدیقؓ کے اور یہ بھی فرمایا کہ میں اگر کسی کو یہ کہتا کہ اس کی میرے دل میں محبّت اُتری ہُوئی ہے اور مَیں اسے خلیل کہے سکوں، تو وہ ابوبکرؓ ہیں، ان کے سوا باقی اور کسی کے بارے میں یہ کلمات ارشاد نہیں فرمائے اللہ تعالیٰ ہم سب کو استقامت دے اسلام پر

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۵۵

(قسط: ۱۵)

یثرب - مدینۃُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؐ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

(۱)

مکہ معظمہ سے شمال کی جانب تقریباً دو سو میل (سوا تین سو کیلومیٹر) کے فاصلہ پر ایک زرخیز علاقہ میں آبادیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ ان میں سب سے بڑی آبادی[1] کا نام یثرب[2] ہے۔ اس کے دو طرف دو سنگلاخ ہیں۔ ان کو لابتین[3] کہا جاتا ہے اور حرّتین بھی کہلاتے ہیں۔

جانب مشرق میں تقریباً آٹھ میل تک چھوٹی چھوٹی آبادیوں کا سلسلہ چلا گیا ہے ان کو عوالی کہا جاتا ہے۔ موضع قبا اسی طرف ہے[4]۔ دوسری جانب بھی اسی طرح کی آبادیاں ہیں۔ ان کو اسافل کہا جاتا ہے[5]۔

یثرب کے نشیبی حصّہ میں برسات میں پانی بھر جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں کی آب و ہوا

۱؎ وکانت یثرب ام قری المدینۃ وھی ما بین طرف قناۃ الیٰ طرف الجرف وما بین المال الّذی یقال لہ البرنی الیٰ زبالۃ　(وفاء الوفاء، ج:۱، ص:۷)

۲؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قیام فرمایا تو اُس کا نام مدینۃ النبی ہوگیا (صلی اللہ علیہ وسلم) کثرتِ استعمال نے مدینۃ النبی کو تو مختصر کر کے صرف مدینہ مگر عاشقانِ رسول ؐ نے محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کے بہت سے نام رکھ ڈالے، طابہ، طیبہ، محبوبہ، مبارکہ، عاصمہ، مرزوقہ، قاصمہ، اکالۃ البلدان، غرض اس طرح نوّے (۹۰) سے زیادہ نام ہوگئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (وفاء الوفا، ج:۱)

۳؎ لابہ اور حرہ کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں۔ یعنی ایسا سنگلاخ جس کے پتھر اس طرح کے کالے ہوں جیسے کوئی پرانا پتھر مسلسل کائی چڑھنے سے کالا ہو جاتا ہے (مجمع البحار و قاموس) یہ کئی میل تک چلے گئے ہیں ان پر نہ کاشت ہو سکتی ہے، نہ اُن پر آبادی ہے، فوج بھی ان پر نہیں گزر سکتی۔ یہ دو طرف حفاظت کی قدرتی دیواریں ہیں۔

۴؎ مجمع البحار و معجم البلدان　۵؎ معجم البلدان۔

مرطوب رہتی ہے۔ یہاں کا بخار "حُمّیٰ یثرب" پورے عرب میں مشہور ہے۔ یثرب نام میں آب و ہوا کی خرابی کو بھی دخل ہے۔ (کیونکہ ثرب جو یثرب کا ماخذ ہے۔ ملامت کرنے کے معنی میں آتا ہے) اس پورے علاقے میں کاشت ہوتی ہے، مگر خاص پیداوار کھجور ہے۔ کھجوروں کے بڑے بڑے باغات ہیں۔ یہاں کے کھجور دُور دُور جاتے ہیں

(۲)

کم و بیش ایک ہزار[1] سال پہلے۔ یمن سے اُجڑ کر دو بھائی سرزمینِ حجاز میں داخل ہوئے اور یہاں آکر آباد ہو گئے۔ ان میں سے ایک کا نام "اوس" تھا۔ دوسرے کا نام "خزرج" باپ کا نام حارثہ ماں کا نام قیلہ۔ اس لیے اوس اور خزرج کی اولاد کو بنو قیلہ بھی کہتے ہیں[2]۔

اب (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مسعود میں) اوس اور خزرج دو قبیلے ہیں جن کی بہت سی شاخیں (بطن) الگ الگ نام سے مشہور ہیں۔ بنو نجار۔ بنو ساعدہ، بنو عمرو بن عوف وغیرہ۔ اس طرح یہ دو قبیلے بہت سے بطنوں میں بٹ گئے ہیں۔

یثرب کی آبادی تقریباً چھ ہزار ہے[3]۔ اور اتنی ہی آبادی عوالی اور اسافل کی ہے۔

ان سب کا ایک "دیوتا" ہے۔ ("المناۃ الطاغیہ")

مشلّل مکہ اور یثرب کے بیچ میں ایک[4] مقام ہے وہاں اس کا مندر ہے۔ یہ سب "المناۃ الطاغیہ" کے بھگت[5] ہیں۔ مگر اصل تیرتھ کعبہ ہے۔ وہاں ہر سال "حج" کو جاتے ہیں اور ان بتوں کی بھی پُوجا کرتے ہیں۔ جو قریش نے کعبہ میں رکھ رکھے ہیں۔ قریش اُن کے مہنت ہیں اور یہ سب اُن کے ہم مذہب اور اُن کے تابع ہیں۔ اُن سب کی نسل بھی ایک ہی ہے۔ کیونکہ یہ بھی حضرت

---

[1] سیل عرم سے تباہ ہو کر یا بقول ابنِ ہشام سیلِ عرم سے کچھ پہلے اس سیل کے متعلق پیش گوئی سُن کر سیرۃ ابن ہشام ج: ۱ ص: ۷۔ [2] معجم البلدان و فتح الباری وغیرہ [3] ہجرت کے چوتھے سال غزوۂ احزاب میں تین ہزار مسلمانوں نے شرکت کی جبکہ اُن میں کئی سو مہاجرین بھی شامل تھے اس سے یہاں کی آبادی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ [4] قدید کے قریب، والقدید اسم موضع قریب بمکۃ معجم البلدان

[5] بخاری شریف، ص: ۲۲۲ و ص: ۲۴۱ وغیرہ۔

اسمٰعیل اور حضرت ابراہیم علیہما السّلام کو اپنا مورثِ اعلیٰ[1] مانتے ہیں اور اس بناء پر رشتہ داریاں بھی ہیں۔ یہ سب کاشتکار اور زمیندار ہیں۔ عموماً ناخواندہ۔ جاہل۔ کسی وقت یہ اس پُورے علاقہ کے فرماں روا تھے۔ اس زمانہ کے قلعوں کے اُونچے اُونچے آثار (کھنڈر) اس وقت بھی موجود ہیں۔ ان کو "اطام یثرب[2]" کہا جاتا ہے

محمدؐ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے تو اُس کا نام "مدینۃ النبی" رکھ دیا گیا، پھر کثرتِ استعمال کے باعث صرف "مدینہ" (دادام اللہ شرفہا) کہا جانے لگا۔

(۳)

اس علاقہ میں دوسری[3] نسل بنواسرائیل کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو مانتے ہیں، اور یہودی کہلاتے ہیں۔ یثرب (مدینہ) کے اطراف میں تین تین چار چار میل کے فاصلہ پر اُن

---

[1] احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ بخاری شریف ص۴۹۷ باب نسبۃ الیمن الی اسمٰعیل علیہ السلام اور قریش سے ان کی رشتہ داری تھی۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اگرچہ ماہرین انساب کا خیال یہ بھی ہے کہ قحطان جو اہلِ یمن کا مورثِ اعلیٰ ہے وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اوس اور خزرج بنواسرائیل یعنی عرب مستعربہ نہیں تھے، بلکہ عرب عاربہ تھے۔

[2] مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ یہ قلعے زیادہ تر یہود نے بنائے تھے۔ جب وہ تنہا اس علاقہ میں صاحب اقتدار تھے۔ اوس اور خزرج یہودیوں کے دورِ اقتدار میں یہاں آئے۔ پہلے یہ صرف دو بھائی تھے۔ پھر ان کی اولاد نے ترقی کی۔ یہود کو حسد ہُوا۔ انہوں نے ان کو ختم کر دینا چاہا، مگر نتیجہ الٹا نکلا۔ مقابلہ ہوا تو یہود کا اقتدار ختم ہوگیا اور اوس و خزرج کے قبائل اس علاقہ کے حکمران بن گئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو وفا الوفا ص۱۲۵ تا ص۱۳۴ ج ا اور معجم البلدان (کچھ تفصیل بعد کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمایئے)

[3] یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزندِ رشید حضرت یعقوب علیہ السلام تھے ان کو اسرائیل بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی اولاد کو بنواسرائیل کہتے ہیں۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام شام میں رہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں اقتدار حاصل ہوا تھا تو حضرت یعقوب اور ان کے لڑکے مصر چلے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے تک ان کی تعداد کئی لاکھ ہوگئی تھی، لیکن اب اقتدار کے بجائے طوقِ غلامی ان کی گردن میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو لے کر مصر سے نکلے۔ اوّل یہ پوری قوم تیہ میں رہی۔ پھر ان کا مرکز شام ہوگیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عہدِ زریں اور مقدمہ سیرۃ مبارکہ۔

کے قبیلے آباد ہیں[1]۔ اُن میں مشہور یہ تین ہیں۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ یہ سب خوش حال ہیں۔ اُن کی آبادیاں قلعہ نما ہیں۔ شاداب باغات میں گھری ہوئی ہر طرح سے محفوظ۔

---

[1] مدینہ میں بنو اسرائیل کی آمد اور ان کا اقتدار : ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مقابلہ میں کامیابی بخشی اور وہ تیہ میں جاکر مقیم ہوئے تو اُنھوں نے دوسرے علاقوں میں مجاہدین بھیجنے شروع کیے جو بزورِ شمشیر اپنے دین کی اشاعت کرتے تھے اور جو ان کے مذہب میں داخل نہ ہوتا ان کو قتل کر دیتے تھے۔ ان مجاہدین کی ایک فوج یثرب بھیجی۔ اس نے یہی کیا کہ جو ان کے مذہب میں داخل نہ ہوا اس کو قتل کر دیا، لیکن ایک شہزادہ نہایت حسین تھا اس پر ان کو رحم آگیا۔ اس کو قتل نہیں کیا اور ساتھ لے کر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ ان کے جانشین کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا کہ اس فوج نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت پر عمل نہیں کیا کہ واجب القتل نوجوان کو پناہ دے کر ساتھ لے آئے۔ جانشین نے ان کے بارہ میں مشورہ کیا۔ طے یہ کیا گیا کہ اس پوری فوج کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا جائے یہ لوگ وہاں سے جلا وطن ہوئے تو انہوں نے یثرب کو اپنے قیام کے لیے منتخب کیا۔ جہاں وہ فتح حاصل کر چکے تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ اہلِ روم کے حملہ کے وقت کچھ لوگ شام سے یہاں چلے آئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ بخت نصر نے جب یروشلم کو تباہ کیا تب یہ لوگ یہاں آئے۔

بہرحال روایتیں اگرچہ متعدد ہیں، مگر علماء تاریخ نے ان کو متضاد قرار نہیں دیا، کیونکہ ان سب روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام کے جانشین کے زمانہ سے ان کی آمد شروع ہوئی اس کے بعد مختلف اوقات میں آمد ہوتی رہی۔ ان سیاسی محرکات اور اسباب کے علاوہ ایک مذہبی محرک بھی بیان کیا گیا ہے کہ کچھ باخدا علماء یہود کو جب توریت کے اشارات سے معلوم ہوا کہ نبی آخر الزمان کا ظہور مدینہ میں ہوگا تو وہ یثرب منتقل ہوگئے کہ اگر ان کو نبی آخر الزمان کی زیارت نہ ہو سکے تو کم از کم ان کی اولاد اس سعادت و شرف سے مشرف ہو سکے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ظہور سے پہلے بنو قریظہ یہی کہا کرتے تھے کہ اُن کے بزرگ انہیں پیشین گوئیوں کی بناء پر یہاں آکر قیام پذیر ہوئے تھے۔

عروج : بنو اسرائیل (یہود) نے یہاں کافی ترقی کی۔ اس پورے علاقہ پر وہ چھا گئے۔ حکومت بھی تھی اور دولت بھی اور نسلیں بڑھیں تو بیس اکیس قبیلے ان کے ہوگئے اور شام تک انہی کی بستیوں کی کثرت ہوگئی۔ وادی قریٰ تیماء خیبر ان کے اہم اور خاص مرکز تھے۔ اوس اور خزرج یہاں آباد ہوئے تو ان سے معاہدہ کرکے اور ان کے حلیف بن کر آباد ہوئے۔

زوال : یہودیوں میں ایک راجہ (مَلِک) ہوا جس کا نام "فطیون" تھا۔ یہ نہایت عیاش اور بدکار تھا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ ہر ایک دُلہن اس کے عشرت کدہ میں خراجِ عیش دے۔ یہود نے اس کو گوارہ کر لیا، مگر جب اوس اور خزرج کی نوبت آئی تو انہوں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

باغات کے علاوہ ان کے تجارتی سلسلے بھی ہیں اور اُن کا سودی کاروبار بھی بہت پھیلا ہُوا ہے اپنی اپنی حیثیّت میں یہ سب قبیلے آزاد ہیں۔ اُن کی مجموعی آبادی بھی یثرب کی آبادی کے لگ بھگ ہے اُن کے یہاں تعلیم کا انتظام بھی ہے۔ ایک تعلیمی ادارہ "بیت المدارس" کے نام سے قائم ہے جس میں توریت کی تعلیم دی جاتی ہے، یثرب کے عام باشندے اُن کی تعلیمی برتری سے متأثر ہیں۔ یہاں تک کہ بعض خوش عقیدہ اپنے ہونہار بچوں کو یہود کے حوالے کر دیتے ہیں کہ علمی شائستگی حاصل کر سکیں۔

اوس اور خزرج کبھی بھائی برادر کی طرح رہے ہوں گے، مگر اب وہ جنگجو حریف ہیں اور تقریباً سوا سو برس سے برابر لڑائی کا سلسلہ جاری ہے۔ حال ہی میں نہایت خونریز لڑائی ہُوئی جو "حربِ بعاث" کے نام سے مشہور ہے، اس جنگ میں دونوں قبیلوں کے بڑے سردار کام آچکے ہیں۔

یہودی ان لڑائیوں میں شریک نہیں ہوتے، البتّہ ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکاتے رہتے ہیں۔ پھر اُن کی بدحالی سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ سودی قرض دے کر اُن کی بہت سی جائدادیں قبضہ میں لے چکے ہیں۔

(حاشیہ: صفحہ گزشتہ)

نے سرتابی کی۔ اس زمانہ میں قبیلہ خزرج کا ایک سردار مالک بن عجلان تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک کو غیرت آئی وہ اٹھ کر گھر میں آیا اور بہن کو سخت ملامت کی۔ بہن نے کہا ہاں، لیکن کل جو کچھ ہوگا وہ اس سے بھی سخت ہوگا۔ دوسرے دن جب حسبِ دستور مالک کی بہن دُلہن بن کر فیطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانہ کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ اندر چلا گیا اور فیطیون کو قتل کر کے شام بھاگ گیا۔ یہاں غسانیوں کی حکومت تھی اور ابوجبلہ حکمران تھا اس کو یہ تکلیف دہ حالات معلوم ہوئے تو وہ لشکر لے کر آیا اور اوس اور خزرج کو انعامات دیئے اور ایک عام دعوت دے کر رؤسا یہود کو مدعو کیا اور ان کو قتل کرا دیا۔ اب یہود کا زور ٹوٹ گیا اوس اور خزرج نے قوت حاصل کر لی، مگر پھر ان دونوں قبیلوں میں جنگ شروع ہوئی جو سو سال سے زیادہ رہی۔ یہود نے ان کو لڑانے میں بھی اپنی تمام چالبازیاں ختم کر دیں اور ان کو سُودی رقم دے کر ننگا بھی کر دیا۔ یہی حالت تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ (معجم البلدان - ابنِ ہشام - وفاء الوفاء وغیرہ)

یثرب کے دو لیڈر اوس اور خزرج کے بڑے لوگوں میں اَب صرف دو باقی رہ گئے تھے۔ عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول قبیلہ خزرج کا رئیس اور لیڈر اور ابو عامر بن صیفی بن نعمان، قبیلہ اوس کا رئیس و امیر۔[1]

یثرب میں آنے والے نبی کا چرچا توریت کی پیشین گوئیوں کے بموجب یہودی ایک آنے والے نبی کے منتظر تھے، وہ اُس کی علامتیں بھی بیان کیا کرتے تھے۔ ان یہودیوں میں کچھ خاندان وہ بھی تھے جن کے مورث اور اجداد اسی اُمّید پہ یہاں آکر آباد ہوئے تھے کہ نبی آخرالزماں کا ظہور اسی سرزمین میں ہوگا۔ مگر وہ تعصّب، گروہ پرستی اور صرف اپنے گروہ کو سب سے اُونچا اور خُدا کا محبوب سمجھنے کا غلط عقیدہ جو اُن کے ذہنوں میں رچا ہُوا تھا اور ایک جذبہ بن گیا تھا۔ اُس نے اس خوش آئند تصوّر کو اور اس تمنّا کو یقین کا درجہ دے دیا تھا کہ آنے والا نبی اُنہیں کے گروہ میں سے ہوگا۔[2] اس سلسلہ میں بہت سی روایتیں بھی گھڑلی تھیں۔[3] وہ سمجھتے تھے کہ جیسے ہی وہ نبی ظاہر ہوگا۔ اُن کا اقبال نُقطۂ عروج پر پہنچ جائیگا چنانچہ مشرکین یعنی اوس اور خزرج سے کسی بات پر بحث ہوتی یا کسی موقع پر مشرکین کے سامنے زچ ہونا پڑتا تو یہی روایتیں اور پیش گوئیاں بیان کرکے اُن کو مرعوب کیا کرتے تھے، کہ "مستقبل کی سربلندی ہمارے لیے ہے"۔ مشرکین اگرچہ اُن کے ہم عقیدہ نہیں تھے، مگر چونکہ جاہل تھے، وہ متأثر ہو جاتے تھے۔ اس طرح اُن کے کان آنے والے نبی کے تذکرہ سے ناآشنا نہیں رہے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہی آشنائی اُن کے لیے مشعلِ راہ بنی۔[4]

---

[1] وفاء الوفاء صـ ۱۵۵ ج ۱ (بقیہ بر صـ ۵۷)

[2] ان کی یہ دلیل ایک حد تک معقول تھی کہ صدہا سال سے نبوّت انہیں کے گروہ میں چلی آرہی تھی۔ یہاں تک کے جتنے انبیاء علیہم السّلام کے نام ان کو معلوم تھے وہ سب اسرائیلی تھے۔ قرآنِ حکیم نے پوری اہمیّت کے ساتھ یہود کے قومی جرائم شمار کرا کر اس دلیل کی تردید کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کے تمام طبقات پر فضیلت دی تھی، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے ان قومی جرائم نے ان کو اس فضیلت سے محروم کر دیا۔ سورۂ نساء آیات ۴۵، ۴۶، ۵۱ تا ۵۴ وآیات ۱۵۲ تا ۱۶۱ وغیرہ

[3] دیکھو آیت ۱۵۳ سورۂ آلِ عمران [4] دیکھو آیت ۸۸ سورۂ بقرہ

انوارِ مدینہ

اللہ رے یہ وسعتِ آثارِ مدینہ
عالم میں ہیں پھیلے ہوئے انوارِ مدینہ

روشن رہیں دائم دَر و دیوارِ مدینہ
تا حشر رہے گرمیٔ بازارِ مدینہ

ہے شہرِ نبیؐ آج بھی فردوس بداماں
جاری ہے وُہی موسمِ گلبارِ مدینہ

پھرتے ہیں تصوّر میں وہ پُرکیف مناظر
تا حدِّ نظر ہیں گُل و گلزارِ مدینہ

جس قلب میں یارانِ نبیؐ کی ہو عقیدت
کھُلتے ہیں اُسی قلب پہ اسرارِ مدینہ

معمور صحابہؓ کی محبّت سے رہیگا
وہ سینہ کہ ہے مہبطِ انوارِ مدینہ

وہ آلِ محمّدؐ ہوں کہ اصحابِ محمّدؐ
ہیں زینتِ دربارِ دُرر بارِ مدینہ

نسبت نہیں شاہوں سے نفیس اہلِ نظر کو
کافی ہے اُنھیں نسبتِ سرکارِ مدینہ

نفیس الحسینی

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

شادی اور موت

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

موجودہ دَور میں لوگ شادی بیاہ کی رسومات میں کچھ ایسے منہمک ومشغول ہوتے ہیں کہ موت اور آخرت اُنھیں بالکل یاد نہیں رہتی، حالانکہ موت اور مابعد الموت ایسی چیزیں ہیں کہ قدم قدم پر انسان کو اُن کے مظاہر پیش آتے رہتے ہیں۔ ذیل کا مضمون شادی بیاہ میں لگ کر موت کو فراموش کر دینے والوں کے لیے ایک تازیانہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جس شادی میں لگ کر تم موت کو فراموش کر رہے ہو اُس شادی کی ہر رسم میں موت کی جھلک پائی جاتی ہے، لہٰذا شادی بیاہ میں لگ کر موت کو فراموش کر دینا عقل مندی کے خلاف ہے

موت اور شادی میں مماثلت

حضرات! آپ نے اپنی لڑکی کی شادی کی ہوگی جس طرح ایک لڑکی کی شادی ہوتی ہے اور وہ اپنے خاوند کے ہاں جاتی ہے اسی طرح ایک زندہ انسان کی موت کے وقت شادی ہوتی ہے اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کو دونوں میں مشابہت دکھا کر آپ سے دریافت کروں کہ بتائیے موت اور شادی میں صورتاً کیا فرق ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب کسی لڑکی کی شادی ہونے والی ہوتی ہے تو سب سے پہلے اُس کی منگنی ہوتی ہے۔ منگنی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کے متعلقین کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اب اس لڑکی کی فلاں لڑکے کے ساتھ شادی ہوگی۔ جس طرح لڑکی کی منگنی ہوتی ہے۔ اسی طرح تم سب کی

منگنی کا بھی اعلان ہو چکا ہے اور تم منگیتر ہو، آپ کی منگنی کا اعلان ان الفاظ میں ہوا ہے۔ کُلُّ[1] نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ كُلُّ[2] مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ كُلُّ[3] شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ہر جاندار کو موت آنے والی ہے۔ جو شخص زمین پر بسنے والا ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔ ہر شے ہلاک ہونے والی ہے، مگر خدا تعالیٰ کی ذات فنا سے محفوظ ہے۔

نکاح سے پہلے مائیوں بٹھانا

آپ جانتے ہیں کہ نکاح سے پہلے مائیوں کی رسم ہوتی ہے اگرچہ یہ رسم تو ہندوانی ہے، مگر لڑکی کو مائیوں بٹھانے کی رسم مسلمانوں میں بھی جاری ہے۔ اس رسم میں چند اُمور کا لحاظ رکھا گیا ہے، لڑکی کو کچھ دنوں کے لیے ایک علیحدہ کوٹھڑی میں بٹھا دیتے ہیں۔ روز کھلی اور اُبٹنا مل کر نہلاتے ہیں۔ غذا میں بھی احتیاط کی جاتی ہے علیحدہ بیٹھنے سے لڑکی کی صورت نکھر جاتی ہے اور چہرے پر رونق آجاتی ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ چند دن خاموش بیٹھنے اور چلّہ کشی کی زندگی بسر کرنے کی حالت میں دُولہا کا تصوّر لڑکی کے دماغ پر مستولی ہو جاتا ہے، وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ اب میرا نکاح ہوگا۔ ایک غیر مرد سے میرا تعلق ہوگا میں اس کی بیوی بنوں گی۔ وہ میرا خاوند ہوگا۔ اِن خیالات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب نکاح کے بعد اپنے خاوند سے ملاقی ہوتی ہے تو اس کو وحشت نہیں ہوتی اور اس فرضی تصوّر کو جب اپنی اصلی حالت میں دیکھتی ہے تو بجائے وحشت کے اس سے مانوس ہو جاتی ہے۔

موت سے پہلے بیماری

یہی حالت مرنے والے کی ہے کہ مرنے سے پہلے بیماری آتی ہے ـــــ بیماری میں موت کا تصوّر قبر کا تصوّر رہتا ہے۔ نکیرین کا بھی خیال کرتا ہے۔ اس لیے قبر میں وحشت نہیں ہوتی، بلکہ عالمِ برزخ کے لوگوں سے مانوس ہو جاتا ہے، اپنے گناہوں کو یاد کر کے توبہ کرتا ہے، گناہوں پر نادم ہوتا ہے اور اس طرح گناہوں کی سیاہی سے پاک ہو جاتا ہے، لڑکی صابن اور اُبٹنے سے اپنا میل دُور کرتی ہے اور انسان توبہ و ندامت سے اپنے گناہوں کا میل دُور کر لیتا ہے۔

ایک شُبہہ کا جواب

یہ شُبہہ نہ کیا جائے کہ بعض لوگ اچانک مر جاتے ہیں اور اُن کو بیمار پڑنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ مَیں عرض کرتا ہوں اسی طرح بعض نکاح بھی ہو

---

[1] ہر جی کو چکھنی ہے موت۔ [2] جو کوئی ہے زمین پر مٹ جانے والا ہے۔ [3] اس کے سوا ہر چیز فنا ہے۔

جاتے ہیں۔ صبح کو بات ٹھہری شام کو نکاح ہو گیا۔ مائیوں بیٹھنے کا موقع بھی نہیں ملتا، یہ کوئی بات نہیں ہے۔ اس قسم کے مستثنیات تمام واقعات میں ہُوا کرتے ہیں۔

دُلہن کا غُسل دُلہن کو نکاح کے وقت نہلاتے ہیں۔ اسی طرح مُردے کو بھی غسل دیتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ دُلہن کو چوکی پر بٹھا کر غسل دیتے ہیں اور مُردے کو تختے پر لٹا کر غُسل دیتے ہیں، دُلہن کو نہلا کر نیا جوڑا پہناتے ہیں جس کو رِیت کا جوڑا کہتے ہیں۔ مُردے کو بھی نیا جوڑا پہناتے ہیں اس کا نام کفن ہے، اگرچہ رِیت کے جوڑے کی رسم اب بہت کم ہو گئی ہے، لیکن اس میں جو کرتہ ہُوا کرتا ہے اس کی آستینیں نہیں ہوتیں رِیت کے جوڑے میں جو کرتا دیا جاتا ہے اس کی شکل کفنی کے بالکل مشابہ ہوتی ہے۔ رہا یہ امر کہ رِیت کا جوڑا سُرخ ہوتا ہے اور کفن سفید ہوتا ہے تو یہ بات کچھ دنوں سے ہو گئی ہے، ورنہ پہلے تو کفن بھی سُرخ ہُوا کرتا تھا جس کی رنگت تو خُون کی طرح سُرخ ہُوا کرتی تھی، لیکن خُوشبو مُشک جیسی ہوتی تھی لَوْنُهٗ لَوْنُ الدَّمِ وَرِيْحُهٗ رِيْحُ الْمِسْكِ

دُلہن کا بناؤ آپ دُلہن کو نہلانے کے بعد اس کا بناؤ کرتے ہیں۔ سر گوندھ کر مانگ نکالتے ہیں۔ اور یہ مانگ اس لیے نکالا کرتے ہیں کہ دُولہا کو وہ سر پسند ہے جس میں مانگ نکلی ہُوئی ہو، لیکن آپ کے حقیقی مولیٰ کو وہ سر پسند ہے جو اُس کے سوا کسی دوسرے کے آگے نہیں جُھکتا۔ آپ دُلہن کے ہونٹوں پر مِسّی لگاتے ہیں، لیکن مولائے حقیقی کو وہ ہونٹ پسند جو ہر وقت اس کی یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں۔ دُلہن کی آنکھوں میں سُرمہ لگایا جاتا ہے اس لیے کہ آج کل کے نوجوان سرمگیں آنکھ کو بہت پسند کرتے ہیں، مگر تمہارے حقیقی دولہا کو وہ آنکھ پسند ہے جو خدا کے خوف سے رویا کرتی ہے۔

تین قسم کی آنکھیں آپ کو معلوم ہے تین قسم کی آنکھیں ہیں جن پہ دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی ہے، ایک وہ آنکھ جو تنہائی میں خُدا کے خوف سے رویا کرتی ہے۔ تنہائی کی قید اس واسطے لگائی ہے تاکہ ریاکار آنکھ نکل جائے، دوسری وہ آنکھ جو دارالسّلام کی حدود پہ مجاہدین کی حفاظت کے لیے جاگتی رہتی ہے کہ کوئی دشمن مُسلمانوں پر شب خُون نہ مار جائے۔ تیسری وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کی ہُوئی چیزوں کو دیکھنے سے اجتناب کرتی ہے اور

جب کوئی حرام چیز سامنے آجاتی ہے تو وہ جُھک جاتی ہے اور محرمات کو دیکھنے سے انکار کرتی ہے۔

دُلہن کا زیور اور مہندی

دُلہن کے گلے میں چمپا کلی اور گلو بند پہناتے ہو۔ سونے کا ہار آویزاں کرتے ہو جو دُلہن کے سینے پر پڑا رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہو کہ دُلہن دُولہا کو پسند آجائے۔ حضرتِ حق جل مجدہٗ اُس گلے کو پسند کرتے ہیں جو اُن کی راہ میں پھانسی کے پھندوں سے اپنی گردنوں کو آراستہ کرتے ہیں۔ وہ اس سینہ کو محبوب رکھتے ہیں جو اِعلائے کلمۃ اللہ کے لیے تیر اور برچھیاں کھا کر لہولہان ہو جاتا ہے۔ دلہن کے وہ ہاتھ اچھے معلوم ہوتے ہیں جن میں مہندی لگی ہوتی ہو۔ حضرت حق کو وہ ہاتھ پسند ہے جو سیدھے ہاتھ سے خرچ کرتا ہے اور اُلٹے ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی ، یعنی اس قدر پوشیدہ خیرات کرتا ہے کہ ہاتھ کی ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی۔ تُنْفِقُ یَمِیْنُہٗ لَا تَعْلَمُ شِمَالُہٗ۔

دُلہن کے ہاتھوں کو زیور پہنایا جاتا ہے پاؤں میں مہندی لگائی جاتی ہے، لیکن مولائے حقیقی اُن پاؤں کو پسند کرتا ہے جو جہاد کے میدانوں اور حجاز کے صحراؤں میں گرد آلود ہُوا کرتے ہیں جب لوگ رات کو پاؤں پھیلا کر سوتے ہیں تو یہ پاؤں خُدا کی عبادت کے لیے مصلے پر کھڑے رہتے ہیں۔ وَالصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ۔

دُلہن کی پالکی اور مُردے کی چارپائی

دُلہن کو رُخصت کرتے وقت منڈھا گاتے ہیں۔ منڈھا ایک خاص قسم کا گیت ہے جو دُلہن کی رخصت کے وقت گایا جاتا ہے اور اسی وقت کے لیے مخصوص ہے۔ دُلہن کو منڈھا سُنایا جاتا ہے، اور مُردے کے سرہانے سورۂ یٰسین پڑھی جاتی ہے اس سورت کا میّت کے قریب پڑھنا مسنون ہے دُلہن کو پالکی میں بٹھاتے ہیں جس کو چار کہار اُٹھاتے ہیں، مُردے کی چارپائی کو بھی چار آدمی اُٹھاتے ہیں۔ دُلہن کی پالکی پر عورتیں ایک دوپٹہ ڈال دیتی ہیں جس پہ گوکھرو کا جال بنا ہُوا ہوتا ہے، بیچ میں جال کے ٹانک دیتے ہیں، مُردے کی چارپائی پر جو چادر ڈالی جاتی ہے۔ اس پہ چارخانہ بنا ہُوا ہوتا ہے اور چار خانے کے بیچ میں اللہ اللہ لکھا ہُوا ہوتا ہے جو دیکھنے والے کو دُور سے جال کا دوپٹہ معلوم ہوتا ہے، چلتے وقت دُلہن کے ساتھ ایک ساتھ والی بھی جایا کرتی ہے اگر یہ ساتھ والی تجربہ کار اور ہوشیار ہوتی ہے تو دُلہن کو سسرال میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور اگر ناتجربہ کار ہوتی ہے تو

دُلہن کو بجائے آرام کے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ رسم بھی پُرانی ہے اور یہ اس لیے رکھی گئی ہے کہ دُلہن جب سُسرال میں جاتی ہے تو سب لوگ وہاں نئے ہوتے ہیں۔ اس لیے کوئی عورت میکے کی ساتھ کر دی جاتی ہے تاکہ دُلہن کو اجنبی لوگوں میں وحشت نہ ہو، مُردے کے ساتھ اس کے اعمال ہوتے ہیں اگر اعمال اچھے ہیں تو قبر میں موجب تسلّی و اطمینان ہوتے ہیں اور اگر اعمال بُرے ہیں تو قبر میں موجب وبال ہو جاتے ہیں۔

دُلہن کا گھونگھٹ

دُلہن جب پالکی میں بیٹھتی ہے تو گھونگٹ نکال لیتی ہے۔ یہ گھونگٹ بظاہر شرم کی علامت ہے، مُردے کو کفن میں لپیٹ کر مٹھا باندھ دیتے ہیں گویا میّت اپنے حقیقی مولا سے یہ کہتی ہے کہ میرا مُنہ اس قابل کہاں ہے جو تجھ کو دکھا سکوں مجھ گنہگار اور خطا کار کا چہرہ تیرے دکھانے کے قابل نہیں ہے اس لیے شرمندگی سے مُنہ کفن میں لپیٹ کر اوپر سے بندھوالیا ہے۔ مَیں نے کفن میں اپنا چہرہ اس لیے چھپالیا ہے کہ اے میرے مولا! میرا چہرہ تیرے رُوبرُو پیش کرنے کے لائق نہیں ہے۔

جنازے کی نماز میں دُعا

دُلہن کو جب رُخصت کرتے ہیں تو دُلہن کا باپ یا سرپرست دُولہا سے کہتا ہے یا دُولہا کے سرپرست سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہے یہ لڑکی اگرچہ ہماری بیٹی ہے، لیکن ہم نے آپ کو لونڈی دی ہے، آپ کی شان کے قابل نہ تو یہ دُلہن ہے اور نہ اس کا جہیز آپ کے مرتبے کے لائق ہے۔ اگر آپ اُس کو خوش رکھیں گے تو ہمارا کلیجہ بھی ٹھنڈا رہے گا، اور اگر اس کو تکلیف ہوگی تو ہمارا دل دُکھے گا۔ بہرحال ہم سفارش کرتے ہیں۔ ہم تو آپ کو لونڈی دے چکے۔ اسی قسم کا مضمون اور اسی سے ملتا جلتا مضمون اُس دُعا کا ہے جو جنازے کی نماز میں پڑھی جاتی ہے، ایک دُعا تو وہ ہے جو آپ حضرات پڑھا کرتے ہیں اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا لیکن اس مشہور دُعا کے علاوہ اور بھی بہت سے دُعائیں ہیں جو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہیں تم کو تو ایک ہی دُعا یاد کرنی مشکل ہے مَیں تم کو اور دُعائیں کیا بتاؤں، لیکن ایک دُعا میرے مضمون کی تصدیق کرتی ہے اس لیے وہ سُنا دیتا ہُوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک جنازے کی نماز پڑھائی تو حسبِ ذیل کلمات پڑھے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَاَنْتَ

خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَ عَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهٗ۔

"اے اللہ تو ہی اس میّت کا رَبّ ہے تُو نے ہی اس کو پیدا کیا ہے تُو نے ہی اس کو اسلام کی طرف رہنمائی کی تھی تُو نے ہی اس کی رُوح کو قبض کیا ہے تُو ہی اس کی خُفیہ اور علانیہ حالت سے واقف ہے ہم تو بحیثیّت سفارشی کے حاضر ہُوئے ہیں اور ہماری درخواست تو صرف اس قدر ہے کہ آپ اس کی مغفرت کر دیجیے۔"

صاحبو! کیا خوش قسمت ہوں گے وہ حضرات جن کے جنازوں پر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز پڑھتے ہوں گے اور اُن کی مغفرت کے لیے دُعا کرتے ہوں گے۔ امام مُسلم نے عوف بن مالک رضؓ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک جنازے پر نماز پڑھائی تو مَیں نے آپ کی وہ دعا یاد کر لی جو آپ نے اس میّت پر پڑھی تھی۔ وہ دُعا یہ تھی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ النَّارِ بعض روایتوں میں عَذَابِ الْقَبْرِ کی بجائے فِتْنَةِ الْقَبْرِ بھی آیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یا اللہ اس میّت کی مغفرت کر دے اور اس پر رحم فرما اس کو عافیت دے اور اس کی خطاؤں سے دَرگزر فرما، اس کی مہمانی باعزّت طریق پر کر اور اس کے قیام کا وسیع پیمانہ پر انتظام کر دے، اُس کو ٹھنڈے پانی سے غُسل دے کر اُس کو اُس کے گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح کوئی کپڑا میل کچیل سے صاف ہو کر بالکل سفید ہو جایا کرتا ہے یا اللہ دُنیا کے گھر سے اس کو بہتر گھر عطا کر دے اور دُنیا کے اہلِ وعیال سے اس کو بہتر اہلِ وعیال و متعلقین عطا کر دے۔ اے اللہ اس کو قبر کے فتنے اور آگ کے عذاب سے بچا لے۔ حضرت عوف بن مالک رضؓ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان کلمات کو سُن کر مجھ کو یہ تمنّا ہُوئی کہ کاش اس میّت کی جگہ میں ہوتا اور حضور کی یہ دُعا میرے حق میں ہوتی۔ اگر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم

جیسا مستجاب الدعوات جنازے کا امام ہو تو ہم میں سے کون ایسا ہوگا جو مرنے کی تمنّا نہ کرے۔

دُولہا کے گھر کی پہلی رات

حضرات! دُلہن کے لیے دُولہا کے گھر کی پہلی رات بھی دُلہن کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوتا ہے، اگر دُولہا نے دُلہن کو پسند کر لیا تو تمام عمر عیش و آرام ہے اور اگر کوئی بدنصیب دُلہن اپنے دُولہا کو پسند نہ آئی تو تمام عمر کے لیے مصیبت کا سامنا ہے۔ یہی حالت قبر میں مُردے کی ہے۔ اگر حضرت حق نے اپنے بندے کو قبول فرمالیا۔ تو ارشاد ہوتا ہے۔ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ الَّذِىْ لَا يُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ اس طرح سوجا جس طرح دُلہن سوجاتی ہے کہ اس کو سوائے اس کے خاوند کے کوئی دوسرا نہیں جگا سکتا۔ یہاں تک کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہی اس کو جگائے گا اور قیامت تک اپنی قبر میں یہ شخص آرام سے سوتا رہے گا اور اگر خدانخواستہ حضرتِ حق نے اس کو پسند نہیں کیا تو پھر اس کی قبر کو آگ سے بھر دیا جاتا ہے اور وہ ایک دُکھیاری دُلہن کی طرح انواع و اقسام کے عذاب میں مُبتلا رہتا ہے۔

صُورت کی بجائے دل کا سوال

ہاں یہ ضرور ہے کہ یہاں کے دُولہا دُلہن کی خوبصورتی کو دیکھتے ہیں اور حضرتِ حق قلب کے اطمینان کو دیکھتے ہیں یہاں اگر دُلہن کالی ہو تو دُولہا اس سے ناراض ہو جاتا ہے خواہ جہیز کتنا ہی ہو اور اگر دُلہن خوبصورت ہو تو جہیز کی قلّت بھی گوارا کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر بندۂ مومن کا قلب توحید الٰہی اور یقین و اذعان کی برکت سے معمور ہو تو اعمالِ صالحہ کی قلّت مضر نہیں ہوتی، لیکن دل اگر کسی بندہ کا توحید کی نعمت سے خالی ہو تو اعمالِ صالحہ کی کثرت بھی مفید نہیں ہوتی اور وہ تمام اعمال نظرانداز کر دیے جاتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہاری صُورتوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے قلوب کو دیکھتا ہے۔ ہر چند کہ موت اور شادی میں فرق نہیں لیکن پھر بھی انسان طبعًا زندگی پسند واقع ہُوا ہے اور موت اُس کو پسند نہیں ہے، لیکن یہ چیز ہے ضروری، کیونکہ نظامِ عالم اسی طرح ہے، کوئی کتنی ہی عمر زندہ رہے، لیکن آخر ایک دن اسے مرنا ضرور ہے۔

ڈاکٹر محمود الحسن عارف (قسط:۲)

پاکستان میں قیامِ امن کا مسئلہ

اس پس منظر میں سوال یہ ہے کہ اس صورت حال کا کیا علاج اور مداوا کیا جائے؟ امن وامان کی بگڑتی ہوئی اس تشویشناک صورت حال کے علاج کے متعلّق، ماہرین کی آرا مختلف ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس خراب صُورتِ حال کے پیچھے خود پولیس اور امن وامان قائم کرنے والے اداروں کا ہاتھ ہے، لہٰذا اگر پولیس کو دُرست کر دیا جائے تو "امن وامان" کی صورتِ حال بہتر ہوسکتی ہے۔ جبکہ بعض لوگ اس کی ذمّہ داری معاشی اور اقتصادی حالات پر عائد کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اگر ملک کے معاشی اور اقتصادی حالات درست کر دیے جائیں تو امن وامان میں بہتری پیدا ہوسکتی ہے، مگر بعض اہل علم اس بات کے حق میں ہیں کہ امن وامان کی صورتِ حال تب بہتر ہوسکتی ہے کہ جب لوگوں کو اُن کی ضرورت کے مطابق "اسلحہ" مہیّا کر دیا جائے تاکہ وہ حفاظتِ خود اختیاری کے تحت اپنی حفاظت آپ کرسکیں۔

لیکن ہمارے خیال میں مذکورہ بالا تمام تجاویز صرف جزوی نوعیت کی ہیں اور یہ تجاویز مسئلے کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کا احاطہ نہیں کرتیں۔ اس کے بجائے اس سے فقط جزوی علاج کی صورت حال سامنے آتی ہے۔ اس کی مثال تو ایسے ہے کہ جیسے کسی مریض کا مکمّل علاج کرنے کے بجائے اُس کا جزوی علاج کیا جائے ظاہر ہے کہ اس جزوی علاج کی صورت میں اس کے جو دیگر منفی اثرات ہوں گے، ان کی بناء پر وہ علاج نہ صرف یہ کہ مؤثّر نہیں رہے گا بلکہ اس کے برعکس مزید طرح طرح کی بیماریوں اور تکلیفوں کا باعث بن جائے گا۔ اس لیے جزوی علاج کے بجائے اس کا "مجموعی علاج" ضروری ہے۔

ہمارے خیال میں اس صورتِ حال کا علاج صرف اور صرف یہ ہے کہ ہمارے ملک میں فی الوقت

جو مختلف نظامہائے حیات رائج ہیں، ان کو یکسر ختم کر کے اس کی جگہ صحیح اور مکمّل اسلامی نظام نافذ کر دیا جائے، کیونکہ اسلام ہی دُنیا کا وہ واحد مذہب ہے اور واحد نظامِ زندگی ہے جو دُنیا کو امن وسلامتی اور تحفّظ جان و مال کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دَورِ حاضر کے دیگر نظاموں کی طرح جرائم کی اصلاح فقط اُوپر اُوپر سے نہیں کرتا بلکہ یہ جرائم کو اُن کی جڑوں سے اُکھاڑ پھینکتا ہے۔ بشرطیکہ اُس کے ابدی و سرمدی اُصولوں کا نفاذ صحیح اور بھرپُور طریقے سے کیا جائے۔ اسلام کی اپنے ماننے والوں کو اوّلین ہدایت ہی یہ ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۔ اے ایمان والو! اسلام میں پُورے کے پُورے داخل ہو جاؤ۔

اس ارشادِ باری تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ جب تک کسی نظام کو پُورے کا پُورا اپنایا نہ جائے، اس وقت تک اس کے صحیح فوائد اور ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے۔ جس طرح کہ اگر کوئی مریض جب تک مکمّل طور پر اپنے معالج کی ہدایات اور تجویز کردہ نسخے پر عمل نہ کرے۔ اس وقت تک اس کے علاج کا صحیح فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اسلامی نظام کے فوائد و ثمرات بھی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اس نظام کو مکمّل طریقے پر نافذ نہ کر دیا جائے۔ ادھورے اور ناقص نفاذ سے نہ صرف یہ کہ اس کے صحیح فوائد حاصل نہیں ہو سکتے، بلکہ اُلٹا حق و باطل کو خلط ملط کر دینے کی بنا پر اس کے مضر اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

اسلام میں امن و امان قائم کرنے کی اہمیت

اَب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اسلام امن و امان کے قیام کے لیے کون سی مثبت اور مفید تجاویز پیش کرتا ہے؟ ہمارے خیال میں یہ تجاویز حسبِ ذیل ہیں۔

① قیامِ امن۔ حکومت اور عوام کے لیے ترجیحی حکم

اسلام دُنیا کا وہ واحد مذہب اور واحد "دین" ہے، جس نے انسانی بقا و سالمیت کو یا دوسرے الفاظ میں تحفّظِ جان و مال کو اپنے منشورِ ہدایت میں سرِفہرست رکھا ہے۔ خود اسلام کا

کا لفظ مادہ سلم (س - ل - م) سے اور ایمان کا لفظ مادہ امن (ا - م - ن) سے ماخوذ ہے۔ جس سے ہر قسم کی سلامتی اور جان و مال کے تحفّظ کی ضمانت کا مفہوم سمٹ آتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لفظ "سلم" (سلامتی) اور "امن" وہی الفاظ ہیں۔ جن سے دُنیا بھر میں "امن و عافیت" اور تحفّظ جان و مال کا مفہوم سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے۔ گویا اپنی سرشت میں امن و سلامتی کا مذہب ہے اور یہ دُنیا میں عموماً اور مسلم حکومتوں میں خصوصاً عزّت اور جان و مال کے دینوی اور اخروی تحفّظ کا ضامن ہے۔

اسی مضمون کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یوں واضح فرمایا ہے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ — مُسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مُسلمان محفوظ رہیں۔

اسی لیے پیغمبر امن و آشتی صلّی اللہ علیہ وسلّم جب بھی غیر مُسلم حکمرانوں کو دعوتی اور تبلیغی خطوط ارسال فرماتے تھے تو ان میں التزامی طور پر ایک جملہ تحریر کرواتے تھے اور وہ تھا۔

اَسْلِمْ تَسْلَمْ (البخاری) — اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے۔

گویا آنحضورؐ دُنیا کے حکمرانوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب اور نظامِ حیات ہے۔ جس کے سائبان تلے تمام دُنیا کی اقوام امن و سلامتی کی نعمتِ عظمیٰ حاصل کر سکتی ہیں اور یہ کہ اسلام ہی دُنیا و آخرت کی سلامتی اور امن و عافیت کا ضامن ہے۔

اسلام نے زبوں حال انسانیت کو جو ارفع و اعلیٰ مقام عطا کیا ہے اس کا ایک خوبصورت اور دلکش پہلو یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں انسان کو نہ تو بندروں اور وحشیوں کی اولاد قرار دیا گیا ہے اور نہ زمین کو انسان کی موجودگی کے باعث ملعون اور راندہ درگاہ قرار دے کر انسانی شرف و منزلت کی توہین کی گئی ہے۔ بلکہ اسلام نے انسانوں کو بارگاہِ خداوندی سے یہ بلند ترین تمغۂ عزّ و افتخار کا مستحق گردانا ہے کہ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى — اور ہم نے بنی آدم کو عزّت بخشی ہے اور ان کو خشکی اور سمندر میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت ساری مخلوقات

عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۔ پر فضیلت دی۔

اس طرح اسلام نے اپنے عالمگیر اور سرمدی پیغامِ ہدایت کے ذریعے نہ صرف کہتر و مہتر راعی و رعیت اور محمود و ایاز کا فرق ختم کر دیا ہے، بلکہ اُنہیں ایک ہی ماں باپ کی اولاد قرار دے کر تمام بنی نوع انسان کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا ہے جن کے مابین تفاوت ان کے نسلی و قبائلی پس منظر کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اپنے اعمال، اخلاق اور رویے یا تقویٰ کی خصوصیات پر ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزّت والا وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔

جبکہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حَجَّۃُ الْوَدَاع کے موقع پر نوع انسانی کے نام اپنے پیغام میں فرمایا: "تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ آگاہ ہو جاؤ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہاں مگر تقویٰ اور پرہیز گاری کی وجہ سے۔"

آنحضورؐ نے یہاں مذکورہ باتوں کا فقط ذکر ہی نہیں بلکہ عملی مظاہرہ بھی کیا۔ چنانچہ اسلام سے قبل دورِ جاہلی میں قبائل اور خاندانوں کے مابین جن جن باتوں پر ایک دوسرے پر اپنی فضیلت اور فوقیت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ آنحضورؐ نے ان تمام باتوں کو ختم کر دیا اور اسلام کی بُنیاد پر آپس میں بھائی چارے، تحمّل، بردباری اور باہمی غمگساری و غمخواری پر مبنی نظریۂ حیات پیش کیا۔ جس نے گرے پڑے اور چھوٹے خاندانوں کے افراد کی کایا پلٹ کر رکھ دی، چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک کالے و حبشی آزاد شدہ غلام (حضرت بلالؓ) کو اوئے حبشن کے بیٹے کہہ کر پکارا، جب یہ ماجرا حضور کے علم میں آیا تو آپؐ نے حضرت ابوذر غفاری کو جن کا تعلّق عربوں کے ایک بڑے سمجھے جانے والے قبیلہ سے تھا۔

فرمایا: "اے ابوذر تمہارے اندر ابھی تک جاہلیت کے اثرات باقی ہیں، تمہارے یہ خادم تمہارے بھائی بند ہیں۔ پس خدا تعالیٰ جس کسی کو دوسرے پر فوقیت عطا کردے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے خادم کو وہی کچھ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے۔ وہی کچھ پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے۔"

اور چونکہ ان اسلامی تعلیمات کے نتیجے میں مسلمانوں کا ہر فرد بلا رُو رعایت انتہائی اہمیّت کا حامل (وی آئی پی) ہے اس لیے اسلام نے ہر فرد کی عزّت اور جان و مال کا تحفّظ اتنا ہی اہم اور ضروری قرار دیا ہے جتنا کہ آج کل کسی سربراہ مملکت یا کسی وی آئی پی فرد کی جان و مال کا تحفظ اہم خیال کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے معاشرہ کے ایک ایک فرد ہی کی نہیں، بلکہ افراد معاشرہ کے ایک ایک سانس اور ایک ایک رمق حیات کی حفاظت کا حکم دیا ہے، چنانچہ قرآنِ حکیم میں کسی بھی فردِ انسانی کا قتل پوری بنی نوع انسانی کے قتل کے مترادف ٹھہرایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔

جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا۔ (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

اور جو شخص اس کی زندگی کا موجب ہُوا تو وہ گویا سارے انسانوں کی زندگی کا موجب ہُوا۔

قرآنِ حکیم کا یہ حکم محض ایک خوش کن نعرے یا دلچسپ اندازِ بیان تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ امرِ واقعہ ہے کہ اسلام نے قتل عمد کو کفر و شرک کی طرح سنگین اور ہولناک ترین جرم قرار دیا ہے اور اس کے لیے کفر و شرک کے مماثل سزا تجویز کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے تو اُس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا اور خدا اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے خدا تعالیٰ نے بڑا (سخت) عذاب تیّار کر رکھا ہے۔[1]

اسلام میں انسانی جان و مال کے تحفّظ کا یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسلام کسی بھی حالت میں کلمہ کفر و شرک کو نوکِ زبان پر لانے کی اجازت نہیں دیتا، لیکن اپنی جان جیسی قیمتی اور وقیع شے کے بچاؤ کے لیے حالت جبر و اکراہ میں اس کی خصوصی اجازت دے دی گئی ہے۔[1]

اسی طرح "لقمہ حرام" کھانا کسی صورت میں بھی روا نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ اپنی جان بچانے کے لیے حالت اضطرار میں بقدر سدِ رَمَقْ "مردار" کھانے کی بھی خصوصی اجازت ہے۔[2] جس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں انسانی جان "حلال و حرام" کے مسائل پر عمل کرنے سے بھی زیادہ اہم ہے۔

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی و قرأت سبعہ و عشرہ اور راویت حفص نیز فارغین طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستار بندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجودہ مکمّل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بروقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔

○

نیز شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا السیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ متوسلین اور تلامذہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مکمّل تعارف کے ساتھ اپنے مکمّل پتے ہمیں ارسال فرمائیں اگر آپ کا فون ہو تو اس کا نمبر بھی تحریر فرمائیں۔

---

[1] النحل (۱۶ : ۱۰۴)

[2] المائدہ (۵ : ۳)

(قسط: ۲)

الدّاعی الکبیر

بانی تبلیغی جماعت

حضرت مولانا محمّد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد عرفان صاحب، فاضل ومدرس جامعہ مدنیہ

مولانا محمّد صاحبؒ کی وفات

مولانا محمّد یحییٰ صاحبؒ کی وفات کے تقریباً دو سال بعد ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ شب جمعہ کو سب سے بڑے بھائی مولانا محمّد صاحب بھی وفات پاگئے، آپ ایک فرشتہ سیرت انسان تھے۔ آپ اسلاف کی زندگی کا نمونہ کم گو بے آزار عزلت پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے بزرگ تھے، آپ کی زندگی متوکلانہ اور زاہدانہ تھی۔ بستی نظام الدّین کی بنگلہ والی مسجد میں اپنے والد ماجد کی جگہ قیام پذیر تھے۔ والد مرحوم کا جاری کیا ہوا ایک مدرسہ تھا جس میں ابتدائی تعلیم ہوتی تھی اور اکثر وہاں میوات کے طلبہ تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ آپ توکل علی اللہ اور زہد و تقوٰی کے زرّیں اُصولوں پہ مدرسہ کو چلا رہے تھے۔

مولانا محمّد الیاس صاحبؒ کی نظام الدّین منتقلی

مولانا محمّد الیاس صاحبؒ بڑے بھائی کی تیمار داری کے سلسلہ میں پہلے سے ہی دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ علاج کی غرض سے قصاب پورہ کی نواب والی مسجد میں قیام تھا۔ وہیں مولانا الیاسؒ صاحب کے بڑے بھائی کا انتقال ہوا، جنازہ نظام الدّین آیا، جنازہ میں بڑا ہجوم تھا دفن کے بعد خاندان والوں نے حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ سے بہت اصرار کیا کہ اَب آپ یہیں قیام فرمالیں اور والد اور بھائی کی وفات سے جو جگہ خالی ہوگئی ہے، اُس کو آباد رکھنے کی کوشش کریں، حاضرین نے مدرسہ کی اعانت اور خدمت کا وعدہ بھی کیا اور مصارف کے لیے کچھ ماہوار رقوم کی تعیین بھی کر دی جو کہ مولانا محمّد الیاس صاحبؒ نے اپنے خاص اُصولوں اور

شرائط کے ساتھ منظور فرمالیں، مگر اپنے قیام کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے ساتھ معلّق فرمادیا، حاضرین نے کہا اجازت ہم خود لے آتے ہیں، فرمایا اس طرح اجازت نہیں ہوتی، بلکہ اجازت میں تنہا خود جاکر لے کر آؤں گا۔ چنانچہ تجہیز و تکفین نیز دوسرے بعض عارضی انتظامات سے فارغ ہوکر آپ حضرت سہارن پوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احباب کی درخواست نیز ضرورتِ حقیقیہ کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت نے ایک برس کی رُخصت لے کر کام شروع کرنے کا مشورہ دے دیا۔ اس کے بعد آپ نے مظاہر العلوم کے مہتمم صاحب کے نام ضابطہ کی درخواست پیش کی اور حضرت سہارن پوری کے مشورہ کے مطابق ایک سال کی رُخصت طلب کی، مگر قدرت کو ابھی کچھ اور ہی منظور تھا۔

"تشویش ناک علالت اور بظاہر زندگی سے مایوسی"

ابھی نظام الدّین جانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ یک لخت آپ علیل ہوگئے۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ کو بیماری ہی کی حالت میں سہارن پور پہنچے، وہاں مرض نے شدّت اختیار کرلی۔ ایک رات جو کہ شبِ جمعہ تھی، مرض کا ایسا شدید دورہ ہُوا کہ نبضیں ساقط ہوگئیں، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے اور اکثر لوگوں نے نا اُمیدی کی سی حالت میں اِنّا للہ پڑھنا شروع کردیا، مگر تقدیرِ خداوندی کے کچھ اور ہی فیصلے تھے، اللہ نے بھی آپ کے کاندھوں پر نبیوں والے کام دعوت و تبلیغ کا بوجھ ڈالنا تھا۔ آپ سے اس کام کی تجدید اور نشأۃِ ثانیہ کرانی مقصود تھی، چنانچہ تیمارداروں کی توقع اور ظاہری حالات کے بالکل خلاف طبیعت سنبھلنے لگی، صحّت کے آثار شروع ہوگئے اور چند ہی ایّام میں اچھّے ہوکر بستر سے اُٹھ گئے جیسا کہ آپ کو اللہ سے کسی نے مانگ لیا ہو اور آپ کو دوبارہ ایک نئی زندگی دے دی گئی۔ کاندھلہ سے تندرست ہوکر آپ نظام الدین تشریف لے آئے، اس وقت نظام الدین کے اس طرف کوئی آبادی نہ تھی اور مسجد کے قرب و جوار میں جنگل ہی جنگل تھا۔ حتّٰی کہ مولانا احتشام الحسن صاحب فرماتے ہیں کہ "میں باہر نکل کر اس شوق میں کھڑا رہتا کہ کسی انسان کی صُورت نظر آجائے"۔ یہاں ایک مختصر سی مسجد ایک بنگلہ اور ایک حجرہ تھا یہی درگاہ کے جنوبی لوگوں کی آبادی کی کل کائنات تھی، کچھ تھوڑے سے میواتی اور غیر میواتی طلبہ قیام پذیر تھے، مدرسہ کی کوئی ایسی آمدنی نہ تھی کہ جس سے آسانی کے ساتھ اس کے اخراجات

پُورے ہوسکیں۔ بس توکل علی اللہ قناعت اور مہتمم صاحب کی بلند ہمتی اس مدرسہ کی پونجی اور اصلی سرمایہ تھی یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں طلبہ کی تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ اُن کی اصلاحِ ظاہر وباطن بھی خوش اسلوبی سے ہوتی رہی، چنانچہ ایک طرف ان میں اگر علمی کمالات پیدا ہورہے تھے تو دوسری طرف وہ اخلاقِ رزیلہ سے پاک وصاف ہوکر اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہوتے چلے جارہے تھے۔ بعض اوقات طلبہ کے کھانے کے لیے کچھ بھی نہ ہوتا تو جنگلی پھل (گولر وغیرہ) کھاکر خدا کا شکر بجالاتے، طلبہ جنگل سے خود لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اس پر روٹی پکاتے اور سالن کی جگہ چٹنی سے روٹی کھالیتے اور مولانا الیاس صاحبؒ بھی اس تنگی پر نہ ہراساں ہوتے اور نہ ہی پریشان ہوتے، بلکہ فارغ البالی اور کشائش سے خود بھی ڈرتے اور ساتھیوں کو بھی اس سے ڈراتے جس کی مولانا کو اُمید نظر آرہی تھی۔ آپ بعض اوقات بڑی ٹھنڈی آہ لے کر فرماتے کہ دین کا کام پیسوں اور مال ودولت سے نہیں چلتا، اگر دین کا کام پیسوں سے چلتا ہوتا تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کچھ مال ودولت ملتا۔ دُنیا کے مال وجاہ سے کتنی بے رغبتی تھی۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث اور واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ مجھے دُنیا سے کیا واسطہ کیا تعلق، میری اور دُنیا کی مثال تو ایسی ہے کہ راہ چلتا مسافر ذرا سی دیر کے لیے کسی درخت کے سائے میں سستایا پھر اُسے چھوڑ کر منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔ (ترمذی شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص: ۴۴۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات سے ناراض ہوکر ایک بالاخانے پر تشریف لے گئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے تو دیکھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریے پر لیٹے ہوئے جس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے اس وجہ سے جسمِ اطہر پر بوریے کے نشانات بھی اُبھر آئے ہیں اور سرہانے ایک چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مَیں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا۔ تین چمڑے دباغت دیے ہوئے اور ایک مٹھی جو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے مَیں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر دیکھا تو اس کے سوا کچھ نہ ملا۔ مَیں دیکھ کر رو دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیوں رو رہے ہو۔ مَیں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریے کے نشانات آپؐ کے بدن مبارک پر پڑے ہے

ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے، پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دُعا کیجیے کہ آپ کی اُمّت پر بھی وسعت ہو۔ یہ روم و فارس بے دین ہونے کے باوجود اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے اُن پر تو یہ وسعت یہ قیصر و کسریٰ تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں اور اللہ کے رسول اور اس کے خاص بندے ہو کر یہ حالت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے۔ حضرت عمرؓ کی یہ بات سُن کر بیٹھ گئے اور فرمایا عمرؓ کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو سُنو آخرت کی وسعت دُنیا کی وسعت سے بہت بہتر ہے ان کفار کی طیبات اور اچھی چیزیں دُنیا میں مل گئیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسولؐ میرے لیے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی۔

"درس و تدریس میں انہماک"

آپ مدرسہ کے اسباق اور طلبہ کی ظاہری و باطنی تربیت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے، بڑی جانکاہی اور جانفشانی کے ساتھ طلبہ کو چھوٹے بڑے اسباق پڑھاتے، بعض اوقات تو ۸۰،۸۰ طلبہ کو خود تنہا بھی پڑھاتے آپ کی تدریس میں مشغولیت اور انہماک کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں مستدرک حاکم کا درس صُبح کی نماز سے پہلے ہُوا کرتا تھا۔ آپ تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں اپنا مخصوص طرز ایک ذاتی رائے بالفاظِ دیگر مجتہدانہ شان رکھتے تھے، آپ کا مطالعہ پر زیادہ زور تھا آپ چاہتے تھے کہ سبق ایسا تیار کر کے لایا جائے کہ ہوں کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے، عبارت کی صحّت صرف و نحو کے علمی اجراء کی طرف خاص توجّہ تھی، کتابوں میں عام مدارس کے نصاب و انتظام کی پابندی نہ تھی۔ بہت سی وہ کتابیں بھی زیرِ درس ہوتیں کہ جو عام رواج کے مطابق مدارس میں پڑھائی نہ جاتیں تھیں، مسائل کو ذہن نشین کرانے اور مستحضر رکھوانے کے لیے نئی نئی صورتیں اختیار فرماتے جو کہ بہت ہی مؤثّر ثابت ہُوئیں۔

"میوات کے علاقہ میں کام کی ابتداء"

دہلی کے جنوب کا وہ علاقہ جس میں "میو" قوم آباد ہے "میوات" کہلاتا ہے۔ انگریز مؤرخین کا خیال ہے کہ "میو" آرین نسل کے راجپوت خاندانوں سے زیادہ قدیم ہے۔ دہلی کی مسلمان سلطنت کے ابتدائی دَور میں میواتی فوج بہت ہی تکلیف دہ عنصر کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ انہوں نے دہلی پر

تاخت کے لیے ان گھنے جنگلات کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا کہ جو اپنے گھنے ہونے کے سبب دہلی تک چلے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میواتیوں کے خوف سے دارالسلطنت سرِشام ہی مقفل کر دیا جاتا۔ شہر پناہ سے باہر جانے کی شام کو کوئی ہمّت نہ کرتا تھا۔ اس کے باوجود میواتی رات کو شہر میں داخل ہونے کی تاک میں رہتے اور لُوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرنے کا پروگرام بناتے رہتے اور موقع لگتے ہی کام کر جاتے، یہ قوم کس طرح اور کب مُسلمان ہُوئی تاریخ اس کے بیان سے خاموش ہے کیونکہ اُن کے مُسلمان ہونے کی تاریخ تاریکی میں ہے، البتّہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ میواتی قوم کے وہ ناگفتہ بہ حالات جو تاریخ میں مذکور ہیں وہ بجائے خود ہیں، مگر اس دینی انحطاط اور اخلاقی تنزل کے ہوتے ہُوئے اس قوم میں بعض اعلیٰ اخلاق وصفات اور شریف قوموں کی بعض نسلی خصوصیات پائی جاتی تھیں باقی جو نقائص اور اخلاقی کمزوریاں اس قوم میں پیدا ہُوئیں وہ اسی نوعیت کی تھیں جو بے تربیتی اور مذہب سے بے خبری کی بناء پر کسی شریف اور بہادر قوم میں پیدا ہو جایا کرتی ہیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت کی عرب قوم میں پیدا ہو گئیں تھیں۔ میواتیوں کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہُوا، چنانچہ قومی دلیری اور بے باکی نے لُوٹ مار اور غارت گری کی شکل اختیار کر لی۔ شجاعت اور فطری بہادری نے کوئی اور مناسب میدان نہ پاکر خانہ جنگی اور خُونریزی کو اپنا مظہر بنا لیا۔ (جیسا کہ آج کل بھی جہاد و قتال سے دوری اختیار کرنے والی قومیں آپس میں لڑتی جھگڑتی نظر آتی ہیں اور اپنی قوّت کو اپنے ہی ہاتھوں ختم کرنے کے دَر پے ہیں۔) فطری غیرت وحمیّت کا جب کوئی جائز استعمال نہ رہا تو حمیّت کو جہالت فرضی عزّت و ناموس، خود تراشیدہ معیارِ شرافت کے حصول کے لیے خرچ کیا گیا، عالی حوصلگی اور بلند ہمتی کا جب کوئی جائز مصرف نظر نہ آیا تو برادری کے چھوٹے چھوٹے کاموں کو بڑا سمجھ کر اپنے اپنے جوہر دکھائے گئے۔ ذہانت چستی اور چالاکی کو شریفانہ مواقع نہ ملے تو مُجرمانہ واردات اور خلافِ قانون کاموں میں اس نے ہاتھ کی صفائی اور ہُنرمندی دکھائی۔ غرض محاسن اور فطری صلاحیتوں کا رُخ غلط اور مصرف حقیر تھا، مگر قوم فطری جوہر سے محروم نہ تھی۔

"آپ کے پاس میواتیوں کی آمد و رفت"

میواتیوں کا اصل تعلق مولانا محمّد الیاس صاحبؒ کے والد بزرگوار مولانا محمّد اسماعیل صاحبؒ کی حیات ہی میں شروع ہو گیا تھا اور یہ کوئی اتّفاقی بات نہ تھی، بلکہ ایک غیبی فیصلہ اور غیبی امداد

تھی کہ بستی نظام الدّین کے دہانہ پر مولانا محمّد اسماعیل صاحبؒ کو ٹھہرایا گیا اور حضرت مولانا محمّد الیاس صاحبؒ کی آمد سے بہت پہلے میوات کی سرزمین میں اس خاندان کی عقیدت و محبّت کا بیج بویا گیا کہ جس کی آبیاری سے کبھی غفلت نہ برتی گئی، میوات میں جب مولانا محمّد صاحبؒ کے مریدین کو معلوم ہُوا کہ بستی نظام کی کی خالی مسند پھر سے آباد ہوگئی ہے اور مولانا محمّد اسماعیلؒ اور مولانا محمّد صاحبؒ دونوں بزرگوں کے اصلی جانشین مولانا محمّد الیاس صاحبؒ تشریف فرما ہیں تو اُنھوں نے بستی نظام الدین کا رُخ کیا اور آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوگیا

"مولانا کے نزدیک میواتیوں کا اصل علاج"

میواتیوں کی اصلاح کی تدبیر آپ کو صرف یہ نظر آتی تھی کہ اُن میں دین کا علم پھیلایا جائے شریعت کے احکام و مسائل سے واقف ہوں اور جہالت و وحشت دُور ہو، چنانچہ مولانا کے والد اور بھائی نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا وہ اُن کے بچّوں کو اپنے یہاں رکھ کر اُن کی تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے، مگر مولانا محمّد الیاس صاحبؒ نے ایک قدم اس سے آگے بڑھایا، چنانچہ آپ نے اُن کے بچّوں کو اپنے یہاں رکھنے کے ساتھ ساتھ خود میوات میں دینی مدارس و مکاتب کا قیام ضروری سمجھا۔

"میواتیوں کی دعوت اور مولانا کی شرط"

آپ نے خود بیان فرمایا کہ "جب پہلی مرتبہ چند مخلصوں نے بڑے جوش و اخلاص کے ساتھ مجھ سے میوات چلنے کی درخواست کی تو مَیں نے کہا کہ میں صرف اس شرط پر چل سکتا ہُوں کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے یہاں مکتب قائم کروگے" مکاتب کو اس وقت اہلِ میوات اتنا مشکل اور ناقابلِ عمل سمجھتے تھے کہ اُن کے لیے اس شرط سے زیادہ کوئی اور مشکل شرط نہ تھی۔ سب سے مشکل بات ان کے لیے یہی تھی کہ بچّوں کو کام چھڑا کر پڑھنے کے لیے ڈالا جائے، یہی وجہ ہے کہ "مکتب" کی شرط سُنتے ہی مولانا کو میوات کی دعوت دینے کا شوق ٹھنڈا پڑ گیا اور اُنھوں نے اس کی ہامی نہیں بھری اور مولانا چلنے پر راضی نہیں ہُوئے، دو تین مرتبہ ایسا ہی ہُوا، ایک مرتبہ ایک سمجھ دار میواتی نے اس بنا پر اس کا وعدہ کرلیا کہ پہلے چلنا چاہیے پھر وہاں جا کر دیکھا جائے گا۔

مکاتب کا آغاز

آپ میوات تشریف لے گئے اور آپ نے اپنی شرط کا مطالبہ کیا آپ کے بڑے تقاضے اور

اصرار اور لوگوں کی بڑی جدوجہد سے ایک مکتب کی بُنیاد ڈالی گئی اور پھر اس کے بعد اس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ میواتیوں سے فرمایا کرتے تھے "تم دینی تعلیم کے لیے بچّے دو، معلمین کے وظیفے (تنخواہیں) اللہ دے گا" آپ کے اس سفر میں دس مکاتب قائم ہوئے اور پھر اس کے بعد ایسا سلسلہ شروع ہوگیا کہ بعض اوقات ایک ایک دن میں کئی کئی مکاتب قائم ہوئے۔ کچھ مُدّت میں میوات کے علاقہ میں کئی سو مکاتب قائم ہوگئے ہیں جن میں قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ فرمایا "سو مکتبوں کے اخراجات میں دینے کو تیّار ہوں مکاتب قائم کرو ان سے مدارس کو پانی ملے گا۔

مدارس خانقاہوں اور تبلیغ کے دائرۂ کار کے بارہ میں فرمایا: "علوم کے مروجہ طُرق مدارس ہیں، اور خانقاہیں تکمیل علوم کے لیے ہیں اور یہ تبلیغ اُن کی ابتدائی تعلیم و تعلم اور بُنیادی پرائمری ہے ایک مقام پر فرمایا اس کام کا خلاصہ (یعنی دین کی دعوت اور یاد دہانی) یہ ہے کہ مدرسہ کی تعلیم کے زمانہ میں جو خامی رہ گئی ہے، اُس کو دُور کرنے کے لیے کلمہ نماز چھوٹے بڑوں کے آداب باہمی حقوق درستئ نیت اور لغزش کے موقعوں سے بچنے کے علم و عمل کو سیکھنے کے لیے ان اُصول کے ساتھ ان لوگوں کے پاس جائیں جو اس سے بالکل محروم ہیں تاکہ اُن کی خامی دُور ہو جائے اور اُن کو واقفیت حاصل ہو جائے"۔ یہ آپ کا وہ ارشاد ہے کہ جس کو آپ نے اپنی قیام گاہ مسجد بنگلے والی بستی حضرت نظام الدّینؒ اولیا دہلی میں بڑے اہتمام سے لکھوا کر آویزاں کرایا تھا

"مکاتب کے اخراجات"

آپ نے دین کی خدمت کو ایک "قومی کام" کی حیثیّت سے نہیں بلکہ اپنا کام سمجھ کر شروع فرمایا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس کے اخراجات کا بار قوم ہی پر نہیں ڈالا، بلکہ اپنی بھی کسی چیز کے لگا دینے سے دریغ نہیں کیا، چنانچہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے یہ کہہ کر کچھ رقم پیش کی کہ یہ آپ اپنے کام میں لے آئیں۔ آپ نے فرمایا حضرت! اگر ہم نے اللہ کے کام کو اپنا کام نہیں سمجھا تو ہم اپنے کب ہُوئے؟ اتنا ہی کہا تھا کہ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

محمد کفیل خان
متعلم جامعہ اشرفیہ لاہور

مجاہدِ اسلام
حضرت مولانا محمد ابراہیم ہزارویؒ

مَیں نے جب ہوش سنبھالا تو اس شخص کو تو مَیں نے نہیں دیکھا جسے لوگ "مولانا تلوار" کے نام سے یاد کرتے ہیں، البتہ حضرت باباجیؒ کو دیکھا جن کے ہاتھ میں تلوار کی بجائے بیساکھی تھی اور اُن کا بدن معذور تھا، لیکن ان کا عزم توانا اور جوان تھا۔ اُن کو مَیں نے شاہین کی طرح جھپٹتے اور شیر کی طرح لپکتے تو نہیں دیکھا، ہاں البتہ اُن کی عقابی نگاہیں پُرعزم چہرہ ہمّت سے بھرپُور سراپا دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ قرونِ اولیٰ کا کوئی مجاہد ہو، جو ہر وقت بے چین و بے قرار ہو کہ کسی طرح پھر میدانِ کارزار میں اُترے اور اپنی ہمّت و دلیری کے جوہر دکھائے۔

حضرت کا سراپا اور سادگی

بڑھاپے اور معذوری کے باوجود صاف ستھرا لباس، چوڑا چکلا، نورانی چہرہ، بینائی کمزور لیکن ہمّت وعزم کے نُور سے منوّر آنکھیں، بدن معذور، لیکن ہمّت وحوصلہ سے معمور سادے سے کپڑے، سادی سی ٹوپی نہ سر پر مینار نما ٹوپی، نہ زمین سے گھسٹتا ہُوا جبّہ، بلکہ ایک مجاہد سا لباس زیبِ تن کیے ہُوئے۔ مَیں نے حضرت باباجیؒ کا وہ مجاہدانہ رُوپ تو نہیں دیکھا، لیکن مقولہ مشہور ہے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْہِ بیٹا اپنے باپ کا راز اور بھید ہوتا ہے۔ نیز

"جزو اپنے کل سے الگ اور مغائر نہیں ہوتا۔

اس مقولے کے تحت جب مَیں نے حضرت کے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا میاں عبدالرحمٰن کو دیکھا تو اندازہ ہُوا کہ مولانا ابراہیم صاحب کے اوصاف اور اخلاق کس درجہ کمال کے ہوں گے گویا وہ تمام باتیں جو اخلاقِ حمیدہ کے زمرے میں آتی ہیں وہ سب ان میں موجود تھیں۔

حضرت کی غیرتِ ایمانی

حضرت مولانا غیرت اور جُرأت کا پہاڑ تھے۔ آلاتِ حرب اور
[illegible]

لوگ اصل نام کو بھول کر انھیں "مولانا تلوار" کے نام سے یاد کرتے تھے، اور لوگوں کا اس طرح سے پکارنا استہزاءً نہیں تھا بلکہ احتراماً تھا۔ یہاں تک کہ آج بھی وہ گلشن (مسجد) جس کو حضرت اپنے خونِ جگر سے سینچ کر گئے تھے، وہ مسجد اسی نام سے مشہور و معروف ہے۔ "مسجد تلوار والی"۔

تمام مکاتبِ فکر کے لوگوں میں حضرت کی مقبولیت

حضرت مولانا نہ تو کوئی محدّثِ عصر تھے، نہ مفسّرِ زمانہ، اور نہ فقیہہ شہر تھے، نہ خطیبِ اعظم، حتّٰی کہ باضابطہ دورۂ حدیث بھی نہیں کیا تھا، لیکن اس کے باوجود اپنے جذبے، لگن، ہمّت، ایثار و اخلاص کی وجہ سے اپنے وقت کے اکابر علماء کی نظروں میں اپنے لیے احترام کا ایک قابلِ قدر گوشہ بنا لیا تھا۔ خواہ وہ علماء کسی بھی مکتبۂ فکر سے تعلّق رکھتے ہوں۔

علماءِ دیوبند سے قلبی تعلّق

باباجیؒ کو علماءِ دیوبند سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔

حضرت باباجیؒ، حضرت لاہوریؒ کے ابتدائی ساتھیوں میں سے تھے۔ جب وہ مجاہدِ اعظم پابہ زنجیر دِلّی سے قید ہو کر لاہور آئے اور شیرانوالہ میں درسِ قرآن شروع کیا تو باباجی اس نورانی حلقے کے ابتدائی ستاروں میں سے ایک تھے جو بعد میں سورج بن کے چمکے۔

○ بانی جامعہ اشرفیہ حضرت مفتی حسن صاحبؒ جب پاکستان تشریف لائے تو حضرت باباجیؒ ان کے بھی قریبی ابتدائی رفقاء میں سے ہوئے۔ اور بانیٔ جامعہ مدنیہ حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ سے تو باباجیؒ کے بڑے گہرے روابط تھے، انارکلی اور نیلا گنبد سے جب جامعہ مدنیہ کریم پارک منتقل ہوا تو باباجیؒ کا اس میں بڑا تعاون تھا، آپ ابتدائی شوریٰ کے ممبر تھے۔

○ محدّثِ عصر بحر العلوم حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ سے بھی باباجی کے بڑے عمدہ اور برادرانہ تعلقات تھے۔ آپ نے اپنی مسجد (حاجی رحمۃ اللہ) کا سنگِ بنیاد بھی انھیں سے رکھوایا تھا، ہر روز بعد از نمازِ عصر محفل جمتی تھی۔ خوش قسمتی سے انارکلی کے جس محلّے میں راقم کا غریب خانہ ہے، اس سے تیسرا مکان حضرت مولانا کاندھلویؒ کا تھا اور مولانا ابراہیم صاحب کی مسجد اس گلی کے بالکل سامنے ہے، اس لیے ان سے ہر روز ملاقات ہوتی تھی، اور حضرت باباجیؒ کے اپنے وقت کے سب سے بڑے سیاستدان مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے بھی بے تکلّفانہ تعلّقات اور قلبی عقیدت تھی۔

○ قائدِ انقلاب حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے حضرت باباجیؒ کو ہمیشہ اپنے قریب رکھا اور آپ کے مشورے کو بڑی اہمیت بخشی۔ اس کے علاوہ اپنے دور کے عظیم قائد اور عالم بے بدل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے تحریک ختم نبوت میں مولانا کے عسکری جذبے سے متاثر ہو کر پنجاب کے طوفانی دورہ میں مولانا کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور تعلقات میں مزید تقویت پیدا ہوتی گئی۔

○ باباجیؒ کا امیرِ شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ سے بھی بہت گہرا قلبی تعلق تھا۔ حتیٰ کہ آپ اور امیرِ شریعتؒ دونوں نے بیک وقت حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحبؒ سے بیعت کی تھی، روحِ رواں عالمی مجلسِ ختمِ نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، استاذ الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحبؒ، قائد جمعیت مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق حقانی صاحبؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی صاحبؒ، مولانا متین خطیب صاحبؒ، خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ صاحب، خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ صاحب سے بھی بہت گہرے تعلقات تھے۔ حضرت درخواستی کا جس طرح حضرت باباجیؒ تذکرہ فرماتے تھے۔ وہ بڑے گہرے تعلق کی غمازی کرتا تھا۔

سیاسی وابستگی

ابتدا میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سیاسی طور پر مجلسِ احرارِ اسلام سے وابستہ رہے اور ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحبؒ نے مجلس کی سیاسی حیثیت کو ختم کر دیا تو حضرت باباجیؒ نے جمعیت علماء اسلام میں شمولیت اختیار کی، خیر المدارس ملتان کا وہ کنونشن جس میں جمعیت کا قیام عمل میں آیا، باباجی اس میں شامل تھے، اور پھر آپ نے اپنی انتھک محنت اور کام میں لگن کی وجہ سے ضلعی سطح سے لے کر مرکزی سطح تک ایک مقام بنایا۔ آپ صوبائی خازن اور مرکزی مجلسِ شوریٰ کے ممبر بھی رہے اور جمعیت ہی کے پلیٹ فارم سے مختلف تحریکوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیتے رہے۔

باباجی کو حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ سے بہت زیادہ عقیدت تھی، لیکن جب جمعیت تقسیم ہوئی تو آپ نے اپنی انفرادی عقیدت کو اجتماعی مفاد پر قربان کر دیا۔ سیاسی طور پر حضرت ہزارویؒ کے شریکِ سفر نہ بن سکے، تاہم حضرت ہزارویؒ سے قلبی عقیدت بدستور قائم رہی اور حضرت

ہزاروی کی وفات کا اتنا صدمہ کہ حضرت کے بعد بمشکل ایک سال جی سکے، پھر اُن ہی سے جا ملے۔

بہرحال حضرت تادمِ آخر جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے اور ایک بزرگ کی حیثیت سے نئے آنے والوں کو کام کرنے کا گُر سکھاتے رہے۔

علماء کے علاوہ معاشرے کے دیگر ارکان سے حضرت کے روابط

مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ کے علماء کے علاوہ معاشرے کے دیگر اہم ارکان جن میں ادباء، شعراء، دانشور، ڈاکٹرز، اساتذہ کرام، وزراء، ممبرانِ اسمبلی غرضیکہ معاشرے کے تمام اہم افراد سے اہم روابط تھے۔

مولانا کا استقلال اور ثابت قدمی

حضرت مولانا ہمیشہ اپنے موقف اور اُصولوں پر ڈٹے رہے، کبھی بھی ہواؤں کے رُخ پر نہیں چلے، بلکہ ہواؤں کو اپنے رُخ پر لے کر چلے، حالات چاہے کتنے ہی نامساعد ہوں، اُصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں کی، مسئلہ ناموسِ صحابہ کا ہو یا تحریکِ ختمِ نبوّت کا۔ ایوبی آمریت کا ہو یا کوئی اور دینی یا قومی مسئلہ ہو جس کو حق جانا اس پر آہنی چٹان کی طرح مضبوطی سے قائم رہے۔ بقول شاعر۔

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا ٹوٹے جو ستارہ وہ زمین پر نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

حضرت کی حضور علیہ السّلام سے سچّی محبّت

حضرت مولانا مصنوعی نہیں بلکہ حقیقی اور اصلی محبّ اور عاشق رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم تھے، اس لیے اپنی عمر کا قیمتی حصّہ حفاظت ختمِ نبوّت میں صرف کر دیا اور اس خدمت کے صلے میں حضرت کو جو مقام حاصل ہوا، وہ قابلِ رشک ہے، چنانچہ بعد از وفات کئی بزرگوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا حضور علیہ السّلام کی پُرجمال مجلس میں خدمتِ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم میں مشغول ہیں۔ یہ علامت ہے ان کی خدمات کے قبول ہونے کی۔

تحریکِ ختمِ نبوّت کا ایک ایمان افروز واقعہ

تحریکِ ختمِ نبوّت کے حوالے سے ایک واقعہ جو مَیں نے اپنے محلّے کے ایک ضعیف آدمی سے سُنا، وہ بیان کرتا ہے کہ تحریکِ ختمِ نبوّت زوروں پر تھی اور مَیں بڑا عیّاش طبع آدمی تھا عید کے

سوا کبھی مسجد میں نہیں گیا، جمعہ کا دن تھا اور حضرت کی مسجد کو پولیس نے گھیرے میں لیا ہُوا تھا۔ بعد نمازِ جمعہ جلوس کا پروگرام تھا۔ زبردست پہرہ اور ممانعت تھی۔ بقول اس شخص کے ہم چند دوست سڑک پر کھڑے نظارہ دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مولوی کا دماغ خراب ہوگیا ہے، بے مقصد اپنے آپ کو موت کے مُنہ میں ڈالتا ہے، وہ شخص کہتا ہے کہ مولانا نے اس جذبے اور ولولے سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ ہمارے دل دہل گئے اور اس کے بعد مولانا نے بڑی حسرت، تڑپ اور افسردگی سے ہماری طرف دیکھا اور صرف ایک جملہ کہا۔ بس اس جملے کا سُننا تھا کہ ایک تلاطم بپا ہوگیا، جذبات کا ایک طوفان اُمڈ آیا۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ندامت کا ایک احساس تھا جو زندہ دفن کیے جاتا تھا اور وہ جملہ یہ تھا۔ "یارو محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم صرف میرے آقا و مولیٰ تو نہیں، کل حشر میں تم کیا مُنہ دکھاؤ گے"۔ بقول اس شخص کے کہ بس پھر کیا تھا، ہم سب ساتھی نعرہ تکبیر بلند کرتے ہُوئے، پولیس کا گھیرا توڑتے ہُوئے، لاٹھیوں پر لاٹھیاں کھاتے ہُوئے، مولانا کی قیادت میں آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔ بقول شاعر

ثابت قدم جو رہتے ہیں ہر حق کی بات پر سجدہ خدا کو کرتے ہیں خنجر کی دھار پر

بہر حال یہ تو ایک چھوٹا سا واقعہ تھا حضرت کا موت سے بے خوفی، بہادری، جُرأت اور اخلاص ایمانی کا، اُن کی پوری زندگی اس طرح کے واقعات سے پُر ہے، جس کے لیے مستقل ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ بقول احسان دانش۔

منزل کی جستجو ہو تو اُن کی طرف چلو جن کو نصیب ہُوئی اطاعت حضورؐ کی
دانش میں خوفِ مرگ سے مطلق ہوں بے نیاز مَیں جانتا ہوں موت ہے سُنّت حضورؐ کی

حضرت کا خاندانی وقار اور عاجزی

حضرت مولانا روحانی اعتبار سے ایک بہت بڑی گدی کے سجادہ نشین تھے۔ ایسی عظیم گدی کہ جس کے اکابر سے محدّثِ اعظم مولانا انور شاہ صاحبؒ کے والد ماجد حضرت علّامہ سیّد معظّم شاہ صاحبؒ روحانی اور علمی درس لیتے رہے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مزاج میں ذرہ برابر بھی مخدومیت نہ تھی بلکہ ہر کسی کا خادم بننے کا جذبہ تھا، کبھی مخدوم بننا چاہا ہی نہیں اور نہ کبھی کسی سے اپنے اس روحانی سلسلے کو ظاہر کیا۔ آپ ابتدا میں حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ صاحبؒ سے بیعت ہُوئے۔ بعد میں تجدید بیعت

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے کی۔

حضرت کی خودداری، قناعت اور اخلاص

حضرت مولانا انتہائی خوددار، باغیرت اور صابر و شاکر انسان تھے۔ انارکلی جیسے تجارتی مرکز میں رہتے ہوئے بھی اپنی ذات کے لیے کبھی بھی ایک پیسے کا نفع نہیں اُٹھایا۔ اسلامی تحاریک اور دینی مدارس کے لیے بلاشُبہہ لاکھوں روپے چندہ کرکے دیا، مگر آپ کے اندر نہ خودنمائی تھی اور نہ ہی داد و تحسین کی طلب، صرف ایک ہی چیز تھی دین کی تڑپ۔ قیام پاکستان کے وقت سینکڑوں لُٹے پٹے مہاجرین کو سر چھپانے کے لیے مناسب مکانات دلوائے، مگر خود اپنے لیے ایک کوٹھڑی کی تمنّا بھی نہیں کی، بلکہ تمام عمر ایک ایسے حجرے میں گزار دی جو تمام راحتوں اور آسائشوں حتّٰی کہ بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہے، مگر کبھی بھی نہ کسی سے شکوہ کیا نہ طلب نہ سوال، بلکہ شہد اور کمبل کا کاروبار کرکے اپنے ہاتھ کی کمائی سے گزارہ کرتے رہے اور دین کو کبھی پیٹ کا جہنّم بھرنے کا ذریعہ نہیں بنایا، ہزاروں روحانی مریضوں کا علاج کیا، مگر تعویذ فروشی کو پیشہ نہیں بنایا۔ سینکڑوں اَن پڑھوں کو تعلیم قرآن دی، مگر طلبِ اُجرت کی تمنّا نہیں کی۔ بقول شاعر

؎ دَر بدر پھرنے کا عادی نہیں ہوں کشکول بدست اس پہ شاکر ہوں جو مل جائے خدا کے دَر سے

مولانا کوئی لچھے دار خطیب اور ادیب نہ تھے، آواز میں کوئی بناوٹ نہ تھی، لیکن جو بات بھی کہتے دل سے نکلتی اور سیدھی دل پر لگتی۔ بقول شاعر

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

بہرحال ہم جیسے ناکارہ لوگ کیا کہہ سکتے ہیں ان کے بارے میں جو قافلہ ولی اللّٰہی کے جانباز سپاہی تھے۔ شاہ صاحب بخاریؒ کے مجاہد تھے، سیّد مدنیؒ کے عاشق تھے۔ علّامہ عثمانیؒ کے خادم تھے۔ اہلِ صُفّہ کا ایک چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ آپ نے توحید و سُنّت کی ترویج و تبلیغ میں تمام عمر صرف کردی۔ شرک و بدعت کی ہمیشہ بیخ کنی کی اور مُلکی بُنیاد پر کبھی سودے بازی نہیں کی اور شرک و بدعت کی سرکوبی کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ اس علاقے کے ماحول سے ظاہر ہیں۔ حضرت باباجی اس دُنیا سے چلے گئے، لیکن ہمارے لیے نمونہ عمل چھوڑ گئے۔ بقول شاعر۔ ترجمہ۔

زمانے گزر گئے اور وقت اَب بھی تیزی سے گزر رہا ہے، لیکن اس قحط الرجالی میں اُن کی مثال لانا مشکل ہے۔

حضرت کی قابلِ رشک موت

آخر کار یہ پُرعزم باہمّت مجاہدِ اسلام تمام مصائب کو چت کر دینے والا، ہر دُشمن کو زیر کر دینے والا، کفن بردوش، سرفروش مجاہد موت کے ہاتھوں شکست کھا گیا اور اپنے اکابر کے ساتھ جنّت میں خیمہ زن ہو کر ہمارے لیے اپنے کردار اور اخلاص کی شمعیں روشن کر گیا کہ اگر اس ڈگر پر چلو گے تو عزّت بھی ہے اور ایمان بھی، ورنہ کچھ نہیں اور اپنے مابعد علماء کو یہ پیغام دے گیا کہ اگر مولوی بننا ہے تو پھر وہ مولوی بننا جو کہ میدانی ہو، وہ مت بننا جو دستر خوانی ہو، سرفروش بننا، تعویز فروش مت بننا۔

اور جب اس مردِ مجاہد نے ہنستے ہنستے، قرآنِ پاک سُنتے سُنتے جان دے دی تو یوں لگا کہ شاعر نے اسی وقت کے لیے یہ شعر کہا ہے۔

یَاذَاالَّذِیْ وَلَدَتْکَ اُمُّکَ بَاکِیًا وَالنَّاسُ حَوْلَکَ یَضْحَکُوْنَ سُرُوْرًا

اِحْرِصْ عَلٰی عَمَلٍ تَکُوْنُ بِہٖ مَتٰی یَبْکُوْنَ حَوْلَکَ صَاحِکًا مَّسْرُوْرًا

اے انسان جب تیری ماں نے تجھے جنم دیا تو تو رو رہا تھا اور تیرے اِرد گرد لوگ ہنس رہے تھے، اب تو عمل کر ایسے طریقے پر کہ جب تو جائے تو لوگ تیرے گرد رو رہے ہوں اور تو ہنس رہا ہو۔ واقعی اس مردِ قلندر نے اپنی زندگی ایسی ہی گزاری کہ لوگ اس کے فراق میں رنجور تھے اور وہ سرخرو اعمالِ صالحہ کے زیور سے مزیّن ہر قسم کے بوجھ سے خالی ہو کر، دونوں ہاتھ خالی کر کے ہلکا پھلکا، ہنستا ہوا قرآن سُنتا ہوا، سر کو دھنتا ہوا جنّت کے موتی چنتا ہوا ہم سے رُخصت ہوا۔ وفات ۱۱ فروری ۱۹۸۲ء بروز جمعرات بوقت دوپہر بارہ بج کر پچیس منٹ،

اللہ تعالیٰ ہم کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، بہرحال یہ ایک ناتمام اور نامکمل مضمون ہے، اس پر تو کوئی صاحب علم و فن اور صاحب قلم ہی لکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

(قسط:۳)

تحقیق مسئلہ ایصالِ ثواب

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی، لکھنؤ، بھارت

قربانی کے ذریعے ایصالِ ثواب

عبادات مالیہ کے ذریعہ ایصالِ ثواب کا ایک واضح ثبوت وہ متعدد احادیث بھی ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی آل اور اپنی اُمّت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہوتا ہے، اُن میں سے چند یہ ہیں:

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عید الضحیٰ کے موقع پر ایک اچھے موٹے تازے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی کی اور اس کو ذبح کرتے وقت آپ نے کہا:

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَّمِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ

(صحیح مسلم کتاب الضحایا ج:۲ ص۱۵۶)

"اے اللہ! اس کو قبول فرما۔ میری طرف سے اور میری آل اور میری اُمّت کی طرف سے۔"

اس بارے میں ایک دوسری حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ سے بھی مروی ہے، اُن کا بیان ہے کہ ایک عید قربان کے موقع پر آنحضرت نے دو مینڈھوں کی قربانی کی اور آیت اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ تلاوت فرمانے کے بعد آپ نے اَللّٰھُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ اُمَّتِہٖ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے ذبح کیا۔ (ابوداؤد، باب ما یستحب من الضحایا)

سنن ابی داؤد کے علاوہ مسند احمد، سنن ابن ماجہ اور دارمی میں بھی یہ روایت اسی طرح ہے (مشکوٰۃ اور سنن ابن ماجہ اور مصنّف عبدالرزاق میں حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے۔)

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یُّضَحِّیَ اِشْتَرٰی کَبْشَیْنِ

عَظِيْمَيْنِ سَمِيْنَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْءَيْنِ فَذَبَحَ اَحَدَهُمَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّالْاٰخَرَ عَنْ اُمَّتِهٖ مَنْ شَهِدَ لِلّٰهِ بِالتَّوْحِيْدِ وَلَهٗ بِالْبَلَاغِ۔

(فتح الباری پ ۲۳ ص: ۳۲۶ طبع ہند)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قربانی کرنی ہوتی تو آپ بڑے موٹے تازے سینگوں والے سیاہی مائل سفید رنگ کے دو خصی مینڈھے منگواتے، ایک کی اپنے اور اپنے اہلِ بیت کی جانب سے قربانی کرتے اور دوسرے کی اپنے اُن اُمتیوں کی طرف سے جو اللہ کی وحدانیت اور آپ کی تبلیغ رسالت کی شہادت دیں"۔

اس مضمون کی روایات حضرت جابرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ اور بھی چند صحابہ مثلاً حضرت ابورافعؓ حضرت حذیفہؓ بن سیّد غفاری، حضرت ابوطلحہؓ انصاری اور حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ سے، مسند احمد، مسند ابویعلی، مصنف ابن ابی شیبہ اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مروی ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الملہم شرح صحیح مسلم جلد ۳ ص: ۳۸۔

یہ سب روایات اگرچہ بجائے خود بہ اصطلاح محدثین "اخبار آحاد" ہی ہیں، لیکن ان سب کے مجموعہ سے اُس شخص کو جو علم حدیث سے کچھ بھی مناسبت رکھتا ہو۔ اس بات کا اضطراری یقین حاصل ہوجانا ضروری ہے کہ آنحضرت نے اُمّت کی جانب سے قربانی فرمائی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ نے اُس قربانی کا ثواب اُمّت کو بخشا ہے۔

اس کے متعلق بعض منکرین کا یہ دعوٰی کرنا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "خصوصیت" تھی محض بے دلیل دعوٰی ہے۔ کسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دینے کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰی کو وصیّت کی تھی کہ وہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ حضرت علی کا معمول تھا کہ وہ عید قربان پر ایک مینڈھے کی قربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے مسلمان بھی دوسروں کی طرف سے قربانی کرسکتے ہیں۔ ورنہ اگر قربانی کے ذریعہ دوسروں کو ثواب پہنچانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہوتی تو آپ

حضرت علیؓ کو اس کی وصیّت نہ فرماتے

بعض منکرین اس روایت کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی یہ قربانی حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے اس لیے صحیح تھی کہ وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وصیّت سے تھی، تو وہ گویا حضرت علیؓ کا نہیں بلکہ آپ ہی کا فعل[1] تھا، لیکن یہ صریح مغالطہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ کے پاس اس کام کے لیے کوئی رقم تو جمع کی ہی نہیں تھی۔ پس آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فعل صرف وصیّت ہے اور قربانی حضرت علیؓ کا عمل ہے اور بحث اس قربانی ہی کے اجر و ثواب میں ہے۔ پس یہ قربانی جو حضرت علیؓ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے اپنے مال سے کرتے تھے جب ہی صحیح ہو سکتی ہے جبکہ اُصولاً اُس کو تسلیم کر لیا جائے کہ ایک کے صدقہ اور ایک کی قربانی کا ثواب اور نفع دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔ ورنہ اگر یہ اُصول نہ مانا جائے، جیسا کہ ہمارے مخالفین کا خیال ہے، تو پھر حضرت علیؓ کی قربانی ہی غلط ہوگی، بلکہ معاذ اللہ حضور کی وصیّت بھی غلط ہوگی۔ بہرحال یہ یہاں نکتہ قابلِ غور ہے کہ وصیّت نے یہاں ایصالِ ثواب کو صحیح نہیں کیا ہے، بلکہ یہ وصیّت ہی "ایصالِ ثواب" کی بُنیاد پہ صحیح ہو سکتی ہے۔ (تاملوا فان الفرق دقیق)

بہرحال مذکورۂ بالا احادیث کے علاوہ حضرت علی مرتضیٰ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قربانی کی یہ وصیّت اور حضرت علیؓ کا دائمی عمل اس امر کا ثبوت ہے کہ ہم دوسروں کی طرف سے مالی عبادات کر سکتے ہیں۔ یعنی اپنے صدقات و قربانی وغیرہ دوسروں کو بخش سکتے ہیں۔ بالخصوص رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے بھی کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے بہت سے اعمالِ خیر کیے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے متعدّد عمرے کیے۔ (فتح الملہم ج:۳ ص:۳۹)

---

[1] یہاں ایک دلچسپ قابلِ ذکر لطیفہ یہ ہے کہ بعض منکرین کے سامنے جب یہ حدیث پیش کی گئی تو اُنھوں نے یہی کہا کہ حضرت علیؓ کو چونکہ حضور کی وصیّت تھی اس لیے وہ گویا حضور ہی کا عمل ہُوا اور اس لیے اس کا ثواب آنحضرت کو ملنا صحیح ہے، لیکن یہ کہنے کے باوجود وہ اُس کے قائل نہیں ہُوئے کہ اس طرح اگر آج کوئی مرنے والا اپنے کسی عزیز کو ایصالِ ثواب کی وصیّت کر جائے اور وہ صدقہ وغیرہ سے ایصالِ ثواب کرے تو یہ ثواب اس مُردے کو پہنچے گا۔ ۱۲

نیز آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوا دوسروں کی جانب سے بھی اس قسم کے اعمالِ خیر کرنے کا ثبوت صحابہ کرام سے ملتا ہے، علّامہ بدر الدّین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں ناقل ہیں۔

قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَعْتَقَتْ عَبْدًا عَنْ اَخِيْهَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَكَانَ مَاتَ وَلَمْ يُوْصِ (عمدۃ ج ۱۴ ص ۵۵)

"امام حدیث ابن المنذر کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ سے یہ چیز پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اُنھوں نے اپنے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی وفات کے بعد اُن کی طرف سے بغیر اُن کی کسی وصیّت کے ایک غلام آزاد کیا۔"

نیز اسی عمدہ (شرح بخاری) میں علّامہ عینی ایک دوسری جگہ محدّث ابن ماکولا کی تخریج سے حضرت انس رضؓ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

اَنَّهٗ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّا نَدْعُوْ لِمَوْتَانَا وَنَتَصَدَّقُ عَنْهُمْ وَنَحُجُّ فَهَلْ يَصِلُ ذَالِكَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اِنَّهٗ يَصِلُ اِلَيْهِمْ وَيَفْرَحُوْنَ بِهٖ كَمَا يَفْرَحُ اَحَدُكُمْ بِالْهَدِيَّةِ (عینی ج ۸ ص ۲۲۲)

"کہ مَیں نے (انس رضؓ نے) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مُردوں کے لیے جو دُعائیں کرتے ہیں اور جو صدقہ خیرات یا حج ان کی جانب سے کرتے ہیں تو کیا یہ اُن کو پہنچ جاتا ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں پہنچتا ہے اور جس طرح تم لوگوں کو کوئی ہدیہ پاکر خوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح تمہارے ان تحفوں سے تمہارے ان مردوں کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔"

ان تمام احادیث سے جو یہاں تک درج کی گئیں کتنے واضح طور پر ثابت ہے کہ مالی عبادات، صدقات وخیرات اور قربانی وغیرہ اگر مُردوں کی طرف سے ہی کی جائیں تو یہ شرعًا دُرست ہے، اُن سے مُردوں کو نفع اور ثواب ہونا برحق ہے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کو یہ بتلایا اور آپ کی تعلیم کے مطابق صحابہ نے اس پر عمل کیا۔ عہد نبویؐ میں بھی اور اُس کے بعد بھی۔

○

صدقات وخیرات وغیرہ مالی عبادات کا ثواب مُردوں کو بخشنے اور اُس سے اُن کو نفع

پہنچنے کا یہ ثبوت چونکہ نہایت واضح اور غیر مشکوک ہے، اسی لیے جن ائمہ سلف کو بدنی عبادات نماز روزہ تلاوتِ قرآنِ مجید وغیرہ سے ایصالِ ثواب میں کلام بھی ہے، وہ بھی مالی عبادات میں قائل ہیں۔ بہرحال کم از کم مالی عبادات کی حد تک یہ مسئلہ ہمیشہ سے جمہور اُمّت میں متفق علیہ رہا ہے۔ امام مسلم نے اپنی "صحیح" کے مقدمہ میں اُمّت کے جلیل القدر امام، عبداللہ بن المبارکؒ سے نقل کیا ہے کہ ابو اسحٰق طالقانی نے جب اُن سے مشہور حدیث اِنَّ مِنَ الْبِرِّ اَنْ تُصَلِّیَ لِاَبَوَیْكَ مَعَ صَلٰوتِكَ وَتَصُوْمَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِكَ کے متعلق سوال کیا تو اس کی اسناد میں انقطاع ہونے کی وجہ[1] سے اس حدیث کو تو اُنہوں نے مجروح قرار دیا، مگر ساتھ ہی فرمایا وَلٰكِنْ لَيْسَ فِي الصَّدَقَةِ اِخْتِلَافٌ (یعنی صدقہ کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرنا متفق علیہ ہے جس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔) اہلِ علم جانتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کی طرف سے اجماع کی یہ شہادت کتنا وزن رکھتی ہے امام نووی حضرت عبداللہ بن مبارک کے اس قول کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

مَعْنَاهُ اَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ لَا يُحْتَجُّ بِهٖ وَلٰكِنْ مَنْ اَرَادَ بِرَّ وَالِدَيْهِ فَلْيَتَصَدَّقْ عَنْهُمَا فَاِنَّ الصَّدَقَةَ تَصِلُ اِلَى الْمَيِّتِ وَيَنْتَفِعُ بِهَا بِلَا خِلَافٍ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ (نووی شرح مقدمہ مسلم ص: ۱۲)

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جس حدیث کے متعلق ابو اسحاق نے سوال کیا وہ تو قابلِ احتجاج نہیں ہے، لیکن جو کوئی اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنا چاہے تو اُس کو چاہیے کہ وہ اُن کی طرف سے صدقہ خیرات کرے، کیونکہ صدقہ کا ثواب اور نفع موتیٰ کو پہنچنے میں اہلِ اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

---

[1] اس حدیث کو ابو اسحاق نے شہاب بن خراش سے انہوں نے حجاج بن دینار سے روایت کیا ہے، آگے حجاج بن دینار اس کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ وہ اتباع تابعین میں سے ہیں تو ظاہر ہے کہ اُن کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم از کم دو واسطے ضرور ہوں گے بس یہی وہ علّت ہے جس کا نام محدثین کی اصطلاح میں انقطاع ہے اور عبداللہ بن مبارک نے اسی وجہ سے اس حدیث کو ناقابلِ احتجاج قرار دیا ہے۔ ۱۲ منہ

دار الافتاء
جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدُالواحِد
مُدرّس و نائب مُفتی و فاضِل جامِعہ مدنیہ

سوال: پاکستان میں اگر کوئی نصرانی یعنی عیسائی عورت جو کہ منکوحہ ہو مُسلمان ہوجائے تو اس کے لیے اپنے شوہر سے تفریق و عدت وغیرہ کے کیا احکام ہیں۔ اور اگر کوئی ایسی نومسلم عورت عدت گزارے بغیر کہیں اور نکاح کرلے تو اس پر رجم کی سزا ہے یا نہیں۔

جواب: بسم اللہ حامدا و مصلیا

(۱) اگر زوجین عیسائی ہوں اور اُن میں سے عورت مُسلمان ہوجائے تو شوہر کو اسلام پیش کیا جائے اگر شوہر اسلام قبول کرلے تو وہ زوجین اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔

(۲) اگر شوہر اسلام کی پیش کش کو زبان سے رَد کر دے یا خاموشی اختیار کرے (خاموشی کی صُورت میں احتیاطاً شوہر کو اسلام کی پیش کش تین بار کی جائے۔) تو زوجین کے درمیان تفریق کر دی جائے، اور یہ تفریق ایک طلاق بائنہ ہوگی۔

(۳) مذکورہ صُورت میں عورت پر عدت بھی آئے گی اور عدت کے زمانے کا خرچہ و نفقہ شوہر کے ذمّے ہوگا۔ عدت کا حُکم اس عورت کے لیے ہے جس کی رُخصتی ہوچُکی ہو۔

(۴) مذکورہ صُورت ہی میں اگر تفریق رُخصتی سے پہلے پیش آئی تو بیوی کو نصف مہر ملے گا اور اگر رُخصتی کے بعد پیش آئی تو کل مہر ملے گا۔

(۵) قاعدے کے مطابق عدت کا زمانہ عورت شوہر کے گھر میں گزارے گی، لیکن شوہر سے علیحدہ رہے گی، البتہ اگر عورت کو اپنے اسلام کی وجہ سے شوہر اور اس کے خاندان سے خطرہ ہو تو کسی محفوظ جگہ

پر عورت عدت گزار سکتی ہے۔

إذا اسلم احد الزوجين المجوسين أو إمرأة الكتابى عرض الاسلام على الآخر فان اسلم فبها و الا بان أبىٰ او سكت فرق بينهما ... والتفريق بينهما طلاق ينقص العدد لو ابى لا لو ابت لان الطلاق لا يكون من النساء.

(درمختار ص ۴۲۲/۲ برحاشیہ)

(قوله أو سكت) غير انه فى هذه الحالة يكرر عليه العرض ثلاثا احتياطا كذا فى المبسوط نهر

(قوله طلاق ينقص العدد) أشار الى ان المراد بالطلاق حقيقة لا الفسخ۔ فلو اسلم ثم تزوجها يملك عليها طلقتين فقط عندهما و قال ابو يوسف انه فسخ۔

ثم هذا الطلاق بائن قبل الدخول أو بعده۔ قال فى النهاية حتى لو اسلم الزوج لا يملك الرجعة قال فى البحر واشار بالطلاق الى ___ وجوب العدة عليها ان كان دخل بها لان المرأة ان كانت مسلمة فقط التزمت احكام الاسلام ومن حكمه وجوب العدة ... والى وجوب النفقة فى العدة ان كانت هى مسلمة لان المنع من الاستمتاع جاء من جهته

اما لو اسلمت و ابى الزوج فلها نصف المهر قبل الدخول وكله بعده كما فى كافى الحاكم (رد المحتار ص ۴۲۲/۲ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) عیسائی عورت جب مسلمان ہو جائے اور وہ اپنے نصرانی یعنی عیسائی شوہر سے تفریق حاصل کیے بغیر اور عدت گزارے بغیر کسی دوسرے مسلمان مرد سے نکاح کر لے اور صحبت بھی ہو جائے تو اس پر حدِ رجم نہیں لگے گی، کیونکہ شبہہ عقد موجود ہے۔ البتہ اگر ان دونوں نے یہ جانتے ہوئے کہ ایسا نکاح کرنا جائز نہیں اس طرح کیا تو اُن کو کوئی مناسب تعزیر و سزا دی جا سکتی ہے۔

ولا حد ايضا بشبهة العقد اى عقد النكاح عنده اى الامام كوطئ محرم نكحها وقالا ان علم الحرمة حد وعليه خلاصه لكن المرجح فى

جميع الشروح قول الامام فكان الفتوى عليه أولى (درمختار)
(قوله كوطء محرم نكحها) اى عقد عليها .... وأشار الى انه لو عقد
على منكوحة الغير أمعتدته او مطلقته الثلاث ... فانه لاحد وهو
بالاتفاق على للاظهر ... الخ (رد المحتار ص ۱۶۸/۳ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)
تزوج امرأة ممن لايحل له نكاحها فدخل بها لاحد عليه وان فعله
على علم لم يحد ايضا و يوجع عقوبة فى قول ابى حنيفة رحمه الله
(رد المحتار ص ۱۶۸/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بقیہ: سیرۃ مبارکہ

یثرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر

اوس اور خزرج کی طویل جنگ نے ایک فریق کو اتنا دبایا کہ اس نے کسی بڑے طاقتور قبیلہ کی مدد حاصل کرنی ضروری سمجھی، چنانچہ اس فریق کا ایک وفد زمانہ حج میں مکہ پہنچا اور اُس نے قریش کو اپنا مددگار اور حلیف بنانا چاہا۔ یہ وفد اس مقصد میں تو کامیاب نہیں ہوا مگر یہ سعادت اُس کو ضرور حاصل ہوگئی کہ اس کے ایک رُکن (ایاس بن معاذ) داعیِ حق کی طرف متوجّہ ہُوئے۔ یہ باقاعدہ مُسلمان تو نہیں ہُوئے، مگر دعوتِ حق کے اثر سے اپنا دامن جھٹک بھی نہیں سکے۔ یہ وفد واپس یثرب پہنچا تو روئیداد سفر میں لامحالہ اس دعوت کا تذکرہ بھی شامل تھا۔ ایاس اگرچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے، مگر اُن کے خاندان والوں کا یقین یہ تھا کہ اُن کی وفات اسلام پر ہُوئی ہے، کیونکہ وفات کے وقت اُن کی زبان پر لا الٰہ اِلّا اللہ اور سبحان اللہ والحمد للہ اور اللہ اکبر کے کلمات جاری تھے۔[1]

---

[1] سیرت ابنِ ہشام ص ۲۵۸ ج ۱

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ تمہاری شکل وصُورت اور مال و دولت کو نہیں دیکھتے، بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتے ہیں"۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اس ارشادِ مُبارک کی روشنی میں جب ہم غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ بہت سے حسین وجمیل اور صاحبِ ثروت لوگ بارگاہِ خداوندی میں ایک کوڑی کی بھی حیثیّت نہیں رکھتے جیسا کہ ابولہب اور قارون ہیں اس کے برعکس بہت سے بدصُورت، بدشکل، غریب و نادار لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں اپنی محبوبیت اور قدر و منزلت کی وجہ سے رشکِ ملائکہ بن جاتے ہیں۔

حضرت لقمان حکیم

ایسے لوگوں میں سے ایک بزرگ بنی اسرائیل میں گزرے ہیں جنھیں "لقمان" کہا جاتا ہے، آپ حضرت ایوّب علیہ السّلام کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی تھے۔ تقریباً ایک ہزار برس عمر پائی تھی۔ آپ نے حضرت داؤد علیہ السّلام کا زمانۂ نبوّت پایا تھا، اُن سے ملاقات بھی کی تھی اور علم بھی حاصل کیا تھا۔ آپ حضرت داؤد علیہ السّلام کی بعثت سے پہلے فتوٰی دیا کرتے تھے، حضرت داؤد علیہ السّلام کی بعثت کے بعد فتوٰی دینا بند کر دیا اور فرمایا، جناب داؤد کی بعثت کے بعد اب مجھے فتوے دینے کی ضرورت نہیں رہی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ بنی اسرائیل کے قاضی تھے، مصر کے رہنے والے تھے۔[1]

آپ کا سراپا

آپ سیاہ رنگ کے حبشی غلام پستہ قد، موٹے ہونٹ، چپٹی ناک اور پھٹے پھٹے قدم والے تھے۔

آپ کا پیشہ بعض کا کہنا ہے کہ آپ ترکھان تھے، بعض کا کہنا ہے کہ درزی تھے اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ چرواہے تھے، بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے دربانی بھی کی ہے اور بعض سے پتہ چلتا ہے کہ باغ کے مالی رہے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ آپ غلام تھے اور آپ کے آقا بدلتے رہتے تھے۔ لہٰذا جس آقا نے جس کام پر لگا دیا ہوگا اُس پر لگ گئے ہوں گے۔

آپ ولی تھے نبی نہ تھے جمہور محققین کے قول کے مطابق آپ ایک نیک وصالح انسان تھے، آپ اللہ کے ولی تھے، نبی نہیں تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ آپ کی حکمت و دانائی ضرب المثل ہے اور "حکیم" آپ کے نام کا جُزو لَا یَنْفَکُّ بن گیا ہے۔ قرآن مجید میں آپ کے نام سے موسوم ایک سورۃ "سورۃ لقمان" موجود ہے جس میں آپ کی چند حکمت آمیز نصیحتوں کا ذکر ہے جو آپ نے اپنے بیٹے کو کی تھیں جن میں سے پہلی اور دوسری نصیحت کا تعلق عقائد سے ہے۔

پہلی نصیحت یہ ہے کہ "بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، کیونکہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ظلمِ عظیم ہے"۔[1]

دوسری نصیحت یہ ہے کہ "بیٹا اگرچہ کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، پھر وہ بھی خواہ کسی پتھر میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں اسے اللہ تعالیٰ لاحاضر کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے باریک بین اور خبردار ہیں"۔[2]

اس نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ اس بات کا پختہ اعتقاد رکھا جائے کہ آسمان و زمین اور اُن کے اندر جو کچھ ہے اس کے ایک ایک ذرہ پر اللہ تعالیٰ کا علم بھی محیط اور وسیع ہے اور سب پر اس کی قدرت بھی کامل ہے، کوئی چیز کتنی ہی چھوٹی سے چھوٹی ہو، جو عام نظروں میں نہ آسکتی ہو، اسی طرح کوئی چیز کتنی ہی دُور دراز پر ہو، اسی طرح کوئی چیز کتنے ہی اندھیروں اور پردوں میں ہو، اللہ تعالیٰ کے علم و نظر سے نہیں چھُپ سکتی اور وہ جس کو جب چاہیں جہاں چاہیں حاضر

---

[1] سورۃ ۳۱، آیت ۱۳

[2] سورۃ ۳۱، آیت ۱۶

کر سکتے ہیں۔

تیسری نصیحت کا تعلّق اصلاحِ عمل سے ہے اور وہ یہ ہے کہ "بیٹا نماز پڑھا کر"۔[1]

چوتھی نصیحت کا تعلّق اصلاحِ خَلق سے ہے اور وہ یہ ہے کہ "اچّھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا بُرے کاموں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تم پر آئے اس پر صبر کرنا، یقین مان کہ یہ بڑی ہمّت کے کاموں میں سے ہے"۔[2]

پانچویں نصیحت کا تعلّق آدابِ معاشرت سے ہے اور وہ یہ ہے کہ "لوگوں[1] کے سامنے اپنے رخسار نہ پھُلا، اور[2] زمین پر اِترا کر، اکڑ کر نہ چل بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبّر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔ اور[3] اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر، اور اپنی[4] آواز کو پست کر (شور شرابہ نہ کر) بیشک آوازوں میں سب سے بُری آواز گدھے کی ہے"۔[3]

اس کے علاوہ آپ کی حکمت و دانائی کی بیشمار باتیں کتابوں میں مذکور ہیں۔

حضرت وہب بن مُنبّہؒ کہتے ہیں کہ مَیں نے آپ کی حکمت کے دس ہزار سے زائد ابواب پڑھے ہیں[4] صاحبِ تفسیر رُوح المعانی علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی بہت سی حکمت آمیز باتیں ذکر فرمائی ہیں۔ موقع کی مناسبت سے وہ باتیں ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

حضرت لقمان کی پیاری پیاری باتیں

① بیٹا دُنیا ایک گہرا سمندر ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہو چکے ہیں۔ تجھے چاہیے کہ تو دُنیا کے اس سمندر میں اپنی کشتی تقویٰ کو بنالے جس کا بھراؤ ایمان ہو، جس کا بادبان توکل علی اللہ ہو، ممکن ہے اس صُورت میں تو اس سے بچ جائے، ورنہ نجات نہیں ہو سکتی۔

② جس کا نفس ہی خود اس کا واعظ ہو اُس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت ہوتی ہے، جو خود اپنے بارے میں لوگوں سے انصاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی عزّت میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی وجہ سے ذلیل ہو جانا انسان کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے بہ نسبت نافرمانی کرنے کی وجہ سے عزّت حاصل ہونے کے (کہ وہ اللہ سے دُور کر دیتی ہے)

---

[1] سورۃ لقمان آیت ۱۷ [2] سورۃ لقمان آیت ۱۷

[3] سورۃ لقمان آیت ۱۸، ۱۹ [4] الجامع لاحکام القرآن، ج: ۱۴، ص: ۶۱

(۳) والد کا اپنے بچّے کو (اس کی تربیت کے لیے) مارنا ایسے ہی ہے جیسے کھیتی میں کھاد ڈالنا،

(۴) بیٹا قرضہ لینے سے بچ، کیونکہ قرضہ دن کی ذلّت اور رات کی فکر کا باعث ہے،

(۵) بیٹا اللہ تعالیٰ سے اتنی اُمّید باندھ کہ وہ تجھے اس کی نافرمانی پر جرَی نہ کرے اور اس سے اتنا ڈر کہ وہ تجھے اس کی رحمت سے مایُوس نہ کردے۔

(۶) جو جُھوٹ بولتا ہے اُس کے چہرہ کی رونق چلی جاتی ہے، جس کے اخلاق بُرے ہوتے ہیں اُسے غم بہت زیادہ لاحق ہوتا ہے، چٹانوں کو اُن کی جگہ سے منتقل کر دینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت ناسمجھ کو سمجھانے کے،

(۷) بیٹا مَیں نے چٹان، لوہا اور ہر بھاری سے بھاری چیز کا بوجھ اُٹھالیا، لیکن مجھے کسی چیز کا بوجھ اتنا بھاری نہیں لگا جتنا کہ بُرے پڑوسی کا، مَیں نے کڑوی سے کڑوی چیز چکھی ہے مگر محتاجی جیسی کڑوی چیز کوئی نہیں چکھی، بیٹا کسی جاہل کو اپنا قاصد نہ بنا اگر تجھے کوئی دانا آدمی نہ ملے تو اپنا قاصد تو خود بن جا، بیٹا جُھوٹ سے بچ کیونکہ یہ چڑیا کے گوشت کی مانند مرغوب تو بہت ہے، لیکن جلد ہی اپنے کھانے والے کو (گرمی کی وجہ سے) اُبال ڈالتا ہے، بیٹا جنازوں میں شرکت کیا کر، شادیوں میں نہ جایا کر، کیونکہ جنازے تجھے آخرت یاد دلائیں گے اور شادیاں دُنیا کی رغبت دلائیں گی۔ بیٹا پیٹ بھرے پر نہ کھا تیرا (اس وقت) روٹی کتّے کو ڈال دینا اس کھانے سے بہتر ہے، بیٹا اتنا میٹھا بھی نہ بن جا کہ نگل لیا جائے اور اتنا کڑوا بھی نہ بن کہ پھینک دیا جائے۔

(۸) تیرا کھانا پرہیز گار لوگ کھائیں اور اپنے ہر معاملہ میں علماء سے مشورہ کرتا رہ۔

(۹) تیرے اس چیز کو سیکھنے میں جسے تو نہیں جانتا کوئی بھلائی نہیں جب تک کہ تو ان چیزوں پر عمل پیرا نہ ہو جنھیں تو جانتا ہے، کیونکہ ایسے آدمی کی مثال تو ایسے شخص کی سی ہے جیسے کوئی شخص لکڑیاں چُن کر اُن کا گٹھا بنائے، پھر اُس گٹھے کو اُٹھا کر چلنے لگے تو عاجز آجائے (چل نہ سکے) لیکن اس کے باوجود اس کے ساتھ ایک گٹھا (لکڑیوں کا اُٹھانے کے لیے) اور ملالے۔

(۱۰) بیٹا تو اگر کسی سے بھائی بندی کرنا چاہتا ہے تو اس سے پہلے اُسے غصّہ دلا کر دیکھ لے اگر وہ اس غضب و غصّہ کی حالت میں تیرے ساتھ انصاف کرے تو فبِہا ورنہ ایسے شخص سے بچ۔

(۱۱) تیری گفتگو اچھی ہو اور تیرا چہرہ کشادہ ہو تو تو لوگوں میں اُس شخص سے زیادہ محبوب (پسندیدہ)

ہوگا، جو لوگوں کو عطا و بخشش کرتا ہے۔

(۱۲) بیٹا اپنے آپ کو اپنے دوست کے سامنے اس شخص کی طرح کر لے جس کو تیری تو کوئی ضرورت نہ ہو، لیکن تجھے اس کی ضرورت ہو، بیٹا اس شخص کی طرح سے ہو جا جو نہ تو لوگوں سے اپنی تعریف کا خواہاں ہوتا ہے اور نہ ہی اُن سے بُرائی مول لیتا ہے، اس صورت میں گو خود تو یہ مشقت برداشت کرتا ہے، لیکن لوگوں کو اس سے راحت ہوتی ہے۔

(۱۳) بیٹا ان باتوں کے کرنے سے رُک جا جو تیرے مُنہ سے نکلتی ہیں، کیونکہ جب تک تو چُپ رہیگا سلامت رہے گا، البتہ ایسی بات کر جس سے تجھے کوئی فائدہ حاصل ہو۔"[۱]

لقمان حکیم کے بہت سے عبرت انگیز و حکمت آمیز واقعات بھی تاریخی صفحات میں بکھرے ہُوئے ہیں۔ چند واقعات بھی درج کیے جاتے ہیں۔

دل و زبان کی قدر و قیمت

"ایک مرتبہ لقمان حکیم کے آقا نے لقمان سے کہا کہ میرے لیے ایک بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ، آپ نے بکری ذبح کی اور اُس کے دل و زبان آقا کے پاس لے گئے، آقا نے کہا کہ کیا بکری میں ان دونوں ٹکڑوں سے زیادہ بہتر ٹکڑا کوئی نہیں تھا۔ آپ چُپ رہے، پھر آقا نے آپ سے کہا کہ دوسری بکری ذبح کرو اور اُس کے جو بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں وہ لاؤ آپ آپ نے بکری ذبح کی اور پھر دل و زبان لے گئے، آقا نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ مَیں نے تم سے بکری کے گوشت کے بہترین ٹکڑے مانگے تو تم دل و زبان لائے اور جب بدترین مانگے تب بھی تم یہی دونوں لائے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے آقا اگر دل و زبان اچھے رہیں تو اِن سے بہتر جسم کا کوئی عضو نہیں ہو سکتا اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی عضو نہیں ہو سکتا۔"[۲]

کڑوی ککڑی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"حضرت لقمان علیہ السّلام جو حکیم تو سب کے نزدیک ہیں۔ بعض کے نزدیک پیغمبر بھی ہیں۔ ایک باغ میں نوکری کر لی۔ اس سے سبق لینا چاہیے کہ حلال پیشہ کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے مالک باغ میں آیا اور اُن سے ککڑیاں منگائیں اور اس کو تراش کر ایک ٹکڑا اُن کو دیا بے تکلف بکر بکر

---

[۱] روح المعانی، ج: ۷، ص: ۸۳ [۲] الجامع لاحکام القرآن للامام القرطبی، ج: ۱۴، ص: ۶۱

کھاتے رہے، اُس نے یہ دیکھ کر کہ یہ بڑے مزے سے کھا رہے ہیں، یہ سمجھا کہ یہ ککڑی نہایت لذیذ ہے، ایک قاش اپنے مُنہ میں بھی رکھ لی تو وہ کڑوی زہر تھی، فوراً تھوک دی اور بہت مُنہ بنایا۔ پھر کہا، اے لقمان تم تو اس ککڑی کو بڑے مزے سے کھا رہے ہو، یہ تو کڑوی زہر ہے، کہا جی ہاں کڑوی تو ہے، کہا پھر تم نے کیوں نہیں کہا کہ یہ کڑوی ہے کہا میں کیسے کہتا، مجھے یہ خیال ہُوا کہ جس ہاتھ سے ہزاروں دفعہ مٹھائی کھائی ہے اگر اس ہاتھ سے ساری عمر میں ایک دفعہ کڑوی چیز ملی تو اس کو کیا مُنہ پر لاؤں؟"[1]

عیب پوشی اور ایذاء دینے والوں کے ساتھ اچھا سلوک

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت لقمان کو ان کے آقا نے فروخت کرنا چاہا تو اُنھوں نے آقا سے کہا کہ آپ پر میرا کچھ حق بنتا ہے اس لیے میری گزارش ہے کہ آپ مجھے اسی کے ہاتھ فروخت کریں جسے میں پسند کروں آقا نے کہا کہ اس کا تجھے اختیار ہے، چنانچہ جو شخص بھی آکر بھاؤ لگاتا آپ اس سے دریافت کرتے کہ بھائی کس کام کے لیے مجھے خریدنا چاہتے ہو، ایک نے کہا کہ اپنے دروازے کی دربانی کے لیے، آپ نے فرمایا خرید لو، جب رات ہُوئی تو آپ نے دروازہ بند کر کے دہلیز میں نماز پڑھنی شروع کر دی، اس شخص کی لڑکیوں کے کچھ یار لگے ہُوئے تھے۔ اُنھوں نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ لڑکیوں نے کہا لقمان دروازہ کھول دے، آپ نے فرمایا۔ میرے ماں باپ تم پر قربان تمہارے والد نے مجھے اس لیے نہیں خریدا، لڑکیوں نے دروازہ نہ کھولنے پر آپ کو مارا اور اتنا مارا کہ آدھ موا کر دیا، جب صُبح ہُوئی تو آپ نے اُن کے والد کو رات کے واقعہ کی کوئی خبر نہ دی، دوسری رات اُنھوں نے پھر ایسے ہی کیا آپ نے پھر بھی اُن کے والد کو خبر نہ دی، تیسری رات پھر ایسے ہی کیا، آپ نے پھر بھی خبر نہیں دی تو وہ لڑکیاں آپس میں کہنے لگیں، اللہ نے اس حبشی غلام کو اس خیر کے متعلق ہم سے بہتر نہیں بنایا، راوی کا کہنا ہے کہ وہ لڑکیاں ایسی نیک و پارسا ہُوئیں کہ بنی اسرائیل میں اُن سے بہتر کوئی لڑکی نہ تھی۔"[2]

حضرت لقمان کو دانائی ملنے کا کیا سبب ہُوا

حضرت عمرو بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "حضرت لقمان ایک روز ایک مجلس میں لوگوں کو حکمت و دانائی کی باتیں سُنا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کیا تم وہی نہیں ہو جو میرے ساتھ

---

[1] حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات۔ ص: ۱۱۱ [2] نفحۃ العرب عربی۔ ص: ۲۱۹

فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں، اُس نے کہا کہ پھر تم کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ مخلوق تمہاری تعظیم کرتی ہے اور تمہارے کلماتِ حکمت سننے کے لیے دُور دُور سے آتی ہے آپ نے فرمایا اس کی وجہ میرے دو کام ہیں۔ ۱۔ ہمیشہ سچ بولنا ۲۔ فضول باتوں سے اجتناب کرنا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس مقام پر پہنچایا ہے، اگر وہ کام تم بھی کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ و مقام حاصل ہوجائے گا۔ وہ کام یہ ہیں ① اپنی نگاہ کو پست رکھنا ② زبان کو روکے رکھنا ③ رزق حلال کھانا ④ اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنا ⑤ سچی بات کرنا ⑥ عہد کو پورا کرنا ⑦ مہمان کا اکرام کرنا ⑧ پڑوسی کی حفاظت کرنا ⑨ فضول باتوں اور فضول کاموں کو چھوڑ دینا۔" [۱]

"ایک شخص حضرت لقمان کو (حقارت کی نظر سے) دیکھ رہا تھا، آپ نے اس سے فرمایا، اگر تم میرے ہونٹوں کو دیکھ رہے ہو کہ وہ بڑے موٹے اور سخت ہیں تو کوئی بات نہیں، کیونکہ ان سے کلام بڑا نرم و نازک نکلتا ہے اور اگر تم یہ دیکھ رہے ہو کہ میرا جسم سیاہ ہے تو بھی کوئی بات نہیں کیونکہ میرا دل روشن اور سفید ہے۔" [۲]

حضرت داؤد علیہ السّلام نے آپ کی تعریف فرمائی

مروی ہے کہ آپ داؤد علیہ السّلام کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا آپ زرہیں بُن رہے ہیں (اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لوہے کو مٹی کی طرح نرم کر دیا تھا) آپ نے چاہا کہ حضرت داؤد علیہ السّلام سے اُن کے بارے میں استفسار کریں، لیکن حکمت و دانائی نے آپ کو سوال کرنے سے روک دیا، لہٰذا آپ خاموش رہے جب حضرت داؤد علیہ السّلام نے ذرہ بنالی تو اُسے پہنا اور فرمایا "تو لڑائی کا کس قدر اچھا لباس ہے"۔ حضرت لقمان بولے "چُپ رہنا دانائی ہے، لیکن اسے اپنانے والے بہت کم ہیں"۔ حضرت داؤد علیہ السّلام نے فرمایا۔ "تمہارا نام "حکیم" رکھا جانا حق اور سچ ہے"۔ [۳]

تین سیاہ فام آدمی

سیّدالتابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک سیاہ فام شخص مسئلہ پوچھنے آیا آپ نے اُس سے کسی قسم کی گراوٹ محسوس کرتے ہوئے فرمایا۔ "اس بات سے رنجیدہ نہ ہو کہ تم سیاہ فام ہو کیونکہ لوگوں میں سے تین بہترین لوگ سیاہ فام ہوئے ہیں۔ ۱۔ حضرت بلال حبشی رضی ۲۔ حضرت عمر رضی کے غلام مھجع رض ۳۔ حضرت لقمان [۴]

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت لقمان ؑ کی حکمت آمیز باتوں پر عمل کرنے اور عبرت انگیز واقعات سے نصیحت حاصل کرکے نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

۱ تفسیر القرآن العظیم للامام ابن الکثیر، ج ۳، ص ۴۴۳ ۲ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج: ۱۴، ص ۶۰ ۳ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱۴، ص ۶۱ ۴ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج: ۱۴، ص ۶۰